دودِ چراغ محفل

دودِ چراغِ محفل

(ڈراما)

از

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ایم۔اے۔پی ایچ ڈی
ریڈر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ

☆

مطبوعہ
اعجاز پرنٹنگ پریس
پریس لین، چھتہ بازار
حیدر آباد ۲

پہلا ایڈیشن

قیمت ۲ روپئے

"دُو دِ چراغ محفل"

غالب کی حیات اور کارناموں پر مبنی ایک ڈراما

فہرست

(۴) سین چوتھا — شعبان بیگ کی حویلی - پھاٹک حبش خان
غالب کا سکونتی مکان

(۵) سین پانچواں — کلکتہ (اخبار آئینہ اسکندر کا دفتر)

تیسرا ایکٹ — دہلی ۱۸۴۷ء تا ۱۸۶۹ء

(ادھیڑپن و بڑھاپا)

(۱) سین پہلا — دہلی (کھاری باؤلی، نواب عبدالرحمٰن کی حویلی)

(۲) سین دوسرا — " لال قلعہ

(۳) سین تیسرا — " غدر

(۴) سین چوتھا — " (غدر کے بعد)

(۵) سین پانچواں — " بیماری و موت۔

افرادِ تمثیل

(۱) غلام حسین کمیدان .. غالب کے نانا

(۲) مرزا عبداللہ بیگ عرف مرزا دولھا .. غالب کے والد

(۳) پنڈت .. پوتھی باچنے والا۔

(۴) ولی محمد نظیر .. آگرہ کے مشہور شاعر سنہ ولادت ۱۷۳۵ء
سنہ وفات ۱۸۳۰ء۔

(۵) بلوان سنگھ .. غالب کے دوست آگرہ کے متوطن۔ غالب نے
اپنے رقعہ میں ان کا ذکر کیا ہے کہ وہ اُن کے
ساتھ کھیلتے تھے۔

(۶) ہرمزد ملا عبد الصمد .. ایرانی سیاح (زرتشت) جو بعد میں مسلمان ہو گیا۔
جس کا قیام آگرہ میں دو سال غالب کے
گھر میں رہا۔

(۷) امراؤ بیگم .. غالب کی بیوی نواب الٰہی بخش خان معروف
کی دختر اور نواب احمد بخش والئی فیروزپور
کی بھتیجی۔

(۸) امراؤ بیگم کی سہیلی .. ڈومنی جس کا ذکر غالب کے خطوط میں آیا ہے جس کے مرنے پر غالب نے اپنا مشہور مرثیہ لکھا۔

(۹) نواب الٰہی بخش خان معروف .. دلی کے مشہور رئیس اور غالب کے خسر

(۱۰) مولوی فضل حق خیر آبادی .. دلی کے مشہور عالم غالب کے دوست ان ہی کے کہنے پر غالب نے مشکل گوئی ترک کی۔

(۱۱) منشی نبی بخش حقیر .. غالب کے دوست مشہور سخن فہم اُن کے نام غالب کے متعدد خطوط ہیں۔

(۱۲) حکیم احسن اللہ خان .. وزیر اعظم دہلی

(۱۳) مولوی سراج الدین .. "اخبار آئینہ اسکندر" کے مدیر

(۱۴) مسٹر حسن علی .. ہندوستانی کے پروفیسر شیکسپیر کے معاون۔ لندن یونیورسٹی میں ہندوستانی کے استاد۔

(۱۵) مسز حسن علی .. ایک انگریز خاتون جس نے ہندوستانی مسلمانوں پر ایک کتاب لکھی۔

(۱۶) کفایت خان .. ایرانی سفیر جس سے غالب کی کلکتہ میں ملاقات ہوئی۔

(۱۷) نواب کرم حسین .. کلکتہ کے رئیس جن کی فرمائش پر غالب نے اپنا مشہور قطعہ چکنی ڈلی لکھا۔

(۱۸) بہادر شاہ ظفر .. بادشاہ دہلی۔

(۱۹) شیخ ابراہیم ذوق .. غالب کے حریف۔

(۲۰) حکیم آغاخاں عیش .. غالب کے معترض۔ ذوق کے مداح ۔ دہلی کے مشہور شاعر۔

(۲۱) مرزا جواں بخت .. ولی عہد

(۲۲) کلیان – وفادارہ .. داروغہ (کلو) (غالب کے ملازمین جو آخر دم تک ساتھ رہے جن کا ذکر رقعات میں ملتا ہے)

(۲۳) سید سردار مرزا .. دہلی کے رئیس جو غدر کے بعد مفلوک الحال ہو گئے۔

(۲۴) الطاف حسین حالی .. غالب کے شاگرد یادگار غالب کے مصنف اردو کے مشہور شاعر۔

(۲۵) کرنل براؤن .. انگریز کپتان بہ زمانہ غدر

(۲۶) طوائف متفرق .. (سپاہی۔ حاجب۔ شاہی ۔ متصدی درباری۔ مرثنیاں وغیرہ)۔

زمانہ (سنہ ۱۷۹۶ تا سنہ ۱۸۶۹ء)

مقام ۔آگرہ۔ دہلی۔ کلکتہ۔

اثاثۂ تمثیل

چاندنی - گاؤ تکیہ - حقہ - پلنگ - کھانے کی میز - کرسیاں - مونڈھے
قلم دوات - موٹی کتاب - بیاض - سارنگی - طبلہ - سنگھاردان - تلواریں
بندوقیں - ڈھولک -

ہدایاتِ مناظر

تمام ڈرامہ محل سرا کے اندر اور دیوان خانہ کے اندر ہے - لہٰذا
محل سرا کے زنانہ اور مردانہ (دیوان خانہ) حصوں کی سجاوٹ ایک ہی ہے -
جو دریا کا سین ہے اس میں کسی قدر طمطراق ہے بقیہ سین سادہ ہیں اس کی
پیش کشی اور مناظر بدلنے میں دقت نہیں ہوتی - اسٹیج کی سہولت کا
بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کوئی سین ایسا نہیں جسے پیش کرنے
میں دقت ہو - فنی نقطۂ نظر سے اس کی پیش کشی بہت آسان ہے -

پہلا ایکٹ

ولادت

سین پہلا

مقام۔ کلاں محل۔ پیپل منڈی آگرہ میں خواجہ غلام حسین خان کا سکونتی مکان
تاریخ۔ ۔ ۷ رجب سنہ ۱۲۱۲ ہجری (۲۷۔ڈسمبر سنہ ۱۷۹۷ء) کے ایک ہفتہ
بعد یعنے غالب کی ولادت کے (ایک ہفتہ بعد ۱۵۔ رجب سنہ ۱۲۱۲ء
اور ۲۔جنوری سنہ ۱۷۹۸ء)

خواجہ غلام حسین کمیدان کی حویلی کا دیوان خانہ۔ سفید چاندنی کا فرش
اس پر ایرانی قالین۔ صدر میں دو گاؤتکیے جن پر مرزا دولھا (عبداللہ بیگ خان)
اور غلام حسین کمیدان بیٹھے ہیں دونوں سفید انگرکھے اور پگڑیاں پہنے ہوئے
ہیں کمروں میں تلواریں لٹک رہی ہیں۔ بازو والے لین پر سیدھی طرف
پنڈت بیٹھے ہوئے ہیں (پنڈت کا روایتی لباس کمر میں زنار اور دھوتی'

ماتھے پر تلک لگائے) بائیں طرف ولی محمد نظیر اپنے مخصوص لباس میں جلوہ فرما ہیں۔ پس منظر۔ بچے کے عقیقہ کی تقریب۔ ڈھولک پر مراثنیں زچہ گیری گا رہی ہیں)۔ زچہ گیری کے بول۔*

مرزا دولھا۔ (غلام حسین کمندان سے) قبلہ! بچے کی پیدائش کا یہ ہنگامہ فرو بھی ہوگا یا نہیں؟ اب تو سات دن ہونے آئے!

غلام حسین کمندان۔ برخوردار! ہنگامہ کیسے کم ہوگا۔ شیروں کے گھر شیر پیدا ہوا۔ جنگل میں مور نہیں کہ ناچا تو کسی نے دیکھا اور کسی نے نہ دیکھا کمیدان کا نواسہ ہے۔ سپاہیوں کی بیویاں بچہ دیکھنے آئی ہونگی۔ (تھوڑی دیر ٹھہر کر) پھر پہلی ولادت پر تو اس طرح کی چہل پہل ہوتی ہی ہے۔ یہ کہو تم نے سفر دکن کا کیا طے کیا؟

مرزا دولھا۔ ارادہ ہے استعفیٰ بھجوا دوں۔ نظام علی خان کے دربار میں مجھ جیسے کھرے سپاہی زادوں کے لئے جگہ نہیں۔ الور سے بلاوا آیا ہے سوچتا ہوں وہاں چلا جاؤں (پنڈت جی سے مخاطب ہوا) کہیئے پنڈت جی پوتھی دیکھ لی۔ کیسے بھاگ ہیں ہمارے فرزند کے۔

پنڈت جی۔ حجور کیا بتاؤں۔ بھر جند تو بہت ہی ارجمند ہے۔ لیکن حجور آپ کی طرح تلوار نہیں اٹھائے گا۔ کلم ہاتھ میں لے گا۔ اس کے کلم میں تلوار سے زیادہ شکتی رہے گی۔ اس کی بانی تو اندر کی بان ہے۔

---

* "زچہ میری ساج اپنی مان ہنری جوڑے ہیں"

جس پہ چلاوے وہی لوٹ پوٹ ہو جاوے۔ اور جور نام تو اس
کا ایسا ہے کہ جب تک چندرماں اور سورج یہ آسمان پر رہینگے اس
کے نام کا نکارہ بجتا رہے گا۔ ہر یگ میں اس کے چاہنے والے
موجود رہیں گے۔ جور یہ تو دیوتا سماں منش کے سروں کا
بکھان کرے گا۔
!

مرزا دولھا۔

پنڈت۔ جور اس کے گھر سرسوتی کا قبضہ ہے۔ لکشمی نہیں آئے گی۔
پیسہ آئے گا بہت مگر ایک ہاتھ لے گا تو دوسرے ہاتھ دے گا۔

نظیر۔ پنڈت جی پیسہ لے کر کرنا ہی کیا ہے۔ چھوڑ ہی تو جائیں گے۔ اصل
چیز تو بڑائی ہے۔ روح کی بھی ذہن کی بھی۔ (بلند آواز سے گنگناتے ہیں)

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ
کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل و زمرد سیم و زر
جب پونجی باٹ میں بکھریگی پھر آن بنے گی جان اوپر
نوبت نقارے بان نشان - دولت حشمت - فوجیں لشکر
کیا مسند تکیہ ملک - مکان - کیا چوکی - کرسی تخت چھپر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

نظیر کی خوش الحانی پر۔

مرزا غلام حسین حقہ کا کش لگاتے لگاتے کچھ کھو سے گئے ہیں۔ پنڈت جی جھوم رہے ہیں۔

مرزا دولھا خاموش ہیں۔ پھر پنڈت جی سے مخاطب ہوکر)۔

مرزا دولھا ۔ اچھا تو پنڈت جی ہم اسے وِدھوان بنائیں گے۔ ہم اسے یم دت کی طرح زندگیوں کو ختم کرنے والا نہیں۔ اندر کی طرح روحوں کو خوش کرنے والا اور سنوارنے والا بنائیں گے ہم اسے فنونِ سپہ گری نہیں سکھائیں گے۔ اگرچہ ہمارے آباؤ اجداد کا پیشہ یہی تھا ہم اسے پڑھائیں گے۔ اس وقت ہندوستان میں جتنے بھی علوم ہیں ہم اسے سکھائیں گے۔ ہمارا بیٹا ادنا رسمان زندگیوں کو سنوارنے والا بنے گا۔ انشاءاللہ۔

پنڈت جی یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا برج کون سا ہے

پنڈت ۔ اس کا برج سنگھ ہے۔

نظیر ۔ "سنگھ" یعنے "اسد"

پنڈت ۔ ہاں صاحب۔ برج بھی اسد ہے اور طالع بھی اسد۔

مرزا دولھا ۔ کیوں نہ ہم اس کا نام "اسد اللہ خان رکھیں۔ (غلام حسین کی طرف مڑ کر) کیوں قبلہ ٹھیک ہے نا۔

غلام حسین کمیدان ۔ اسد اللہ الغالب۔ حضرت علی شیر خدا کا بھی

لقب ہے تم اسے اسداللہ خان کہو ہم اسے مرزا نوشہ پکاریں گے۔ تمہارا خطاب مرزا دولھا ہے نا۔ اس مناسبت سے مرزا نوشہ کہیں گے اور یعنے رزم کے ساتھ پھر بزم کی بھی مناسبت رہے گی۔

نظیر۔ (یکایک) گنگنانے لگتے ہیں۔

زر کی جو محبت تجھے تڑپائے گی بابا۔

(اس کے بعد کسی قدر بلند آواز سے)

تن سوکھا۔ کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھروبابا

اب موت کا نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

(خاموش ہو جاتے ہیں)

مرزا دولھا۔ ولی محمد یہ تم نے بے وقت کی راگنی کیوں چھیڑی۔

نظیر۔ نہیں مرزا صاحب یہ بات نہیں۔ آپ آلو رجا رہے ہیں نا۔ گھوڑے پر زین کسی جائے گی اس لئے یاد آگیا رہا دوسرا مصرعہ تو مرزا صاحب یہ بے وقت کی راگنی نہیں۔ یہ وقت تو سب پر آنے والا ہے

(پس منظر غمگین موسیقی)

سین دوسرا

(لڑکپن)

غلام حسین کی حویلی کا دیوان خانہ ایک دس بارہ سال کا لڑکا بر کا پاجامہ کھلی آستین کا اُلٹی گریبان کا کرتا پہنے سر پر ململ کی گول ہلکی ٹوپی جس پر کشیدہ کا کام ہے۔ دوسرے لڑکے کے ساتھ چوسر کھیل رہا ہے (یہ غالب کی لڑکپن کی تصویر ہے) دوسرے لڑکے کا لباس بھی ملتا جلتا ہے۔ صرف پاجامے کی جگہ دھوتی اور سر پر پگڑی ہے۔ ماتھے پر قشقہ لگا ہے۔ یہ لڑکا بلوان سنگھ ہے۔

(دونوں لڑکے چوسر کھیل رہے ہیں)

بلوان سنگھ۔ (نردیں ڈال کر) واہ صاحب یہ پانسہ تو اُلٹا پڑا ہے۔

غالب۔ راجہ میاں[1] آج آپ کا دل چوسر میں کہاں چھکے کے پیچھے پڑا ہے۔

بلوان سنگھ۔ بات تو ٹھیک ہے مرزا۔ کم بخت فردوسِ نظر بھی ہے اور

---

1. غالب کی مخاطبت کے انداز نئے نئے ہیں۔

رہزن تمکین وہوش بھی (کھیل روک کر) میں پوچھتا ہوں مرزا تو سب کھیل تو کھیلتا ہے۔ اس کھیل سے ابھی تک کیسے بچا رہا۔

غالب۔ اس میں شک نہیں۔ میں دنیا کو بازیچۂ اطفال سمجھتا ہوں۔ سب بازیاں کھیل چکا۔ لیکن ابھی تک دلوں کی بازی نہیں کھیلی۔ (پھر کھیل میں مصروف ہو جاتے ہیں) تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر سُن۔ ابھی ابھی ایک شعر ہوا ہے۔

کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشمکش
اے خوشا رند کہ مرغ گلشنِ تجرید ہے۔

بلوان سنگھ۔ بھائی مرزا تیرے کلام میں دو تہائی فارسی ہوتی ہے۔ اب اس شعر کو دیکھ اس میں سے کچھ نہیں "زور" ہے چار لفظ نکال لے تو معلوم ہوتا ہے۔ نظیری یا صائب کا کوئی شعر ہے وہی ہمارے نظیر صاحب کو دیکھ چند دن پہلے ہولی کے موقع پر والد صاحب کے ساتھ لالہ بلاس رائے کے ہاں جانا ہوا۔ بچوں کو پڑھاتے تھے میں نے شعر سنانے کی فرمائش کی تو ہولی پر چند اشعار سنائے۔ واللہ یار ایسا سماں باندھا کہ طبیعت نہال ہو گئی۔

غالب۔ (خندہ زیر لب) راجہ تو میرے اشعار کیا سمجھے گا۔ یار شعر و شاعری کے چکر میں کیوں پڑتا ہے۔ مرغ بازی کر۔ پتنگ لڑا

کوٹھے کی سیر کر۔ خیر یہ بتا اس مشاعرے کا کیا بنا۔ جو تمہارے
دوست نواب صاحب کے ہاں ہونے والا تھا۔ سنا ہے اس میں
میر صاحب بھی شرکت کا ارادہ رکھتے ہیں۔
بلوان سنگھ۔ یار بھول ہی گیا۔ نواب صاحب کہتے تھے میر تقی میر بھی آنے
والے ہیں۔ انھوں نے تجھے بھی دعوت دینے کے لئے کہا ہے۔ مجھ
سے کہتے تھے تمہارے دوست کے اشعار مجھے پسند آتے ہیں۔
نومشق ہی ہے لیکن ابھی سے اس کے کلام میں تیکھا پن ہے اس
کے اشعار عام روش سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک آدھ غزل
لکھ لے مگر مرزا تو بیدلؔ کی تقلید چھوڑ دے۔ سوداؔ کی تقلید کر۔
نظیرؔ کا رنگ اختیار کر۔ اپنی دلی میں دیکھو دردؔ کس پایہ کا شاعر
تھا۔ واقعی یار مجھے تو میرؔ صاحب کا کلام ہی اچھا لگتا ہے۔ ایسے
محسوس ہوتا ہے شعر نہیں نشتر ہے جو سیدھا دل میں اتر جاتا ہے۔
بلکہ گھر کر جاتا ہے۔
مرزا نوشہ۔ بلوان سنگھ۔ میں تجھے نرا لٹ باز کھلاڑی سمجھتا تھا۔ مگر
معلوم ہوتا ہے تو کوٹھے پر سچ مچ دل دے آیا جب ہی تو میرؔ
کو پسند کرتا ہے۔ ہاں تیرے نواب صاحب کے مشاعرے میں
یاد جائیں گے اور ضرور جائیں گے۔ غزل بھی پڑھیں گے۔ اوہ

وہ ہمارے ایرانی استاد آیا ہی چاہتے ہیں۔ چچا صاحب نے ان
حضرت کو میرے سر اچھا منڈھ دیا لیکن ظالم واقعی عالم ہے
اس کی باتوں میں دنیا و مافیہا کو بھول جاتا ہوں۔
(دستک کی آواز)
(غالب اٹھتے ہیں۔)
جواہر سنگھ۔ اچھا بھئی چل دیئے۔ کسی دن تمہیں بھی کوٹھے کی سیر کرائیں گے۔
(ایک پارسی نژاد بزرگ داخل ہوتے ہیں)
(بزرگ کا لباس نو واردِ ایرانیوں جیسا ہے۔ سر پر ایرانی ٹوپی۔
پیر میں سفید انگرکھا یہ سابق ہرمزد اور حال مولوی عبد الصمد
ہیں جن سے غالب نے فارسی سیکھی)۔
غالب۔ السلام علیکم مولوی صاحب (اٹھ کر انھیں مسند پر بٹھاتے
ہیں۔ خود سامنے دو زانو بیٹھ جاتے ہیں)
ہرمزد۔ وعلیکم السّلام۔
غالب۔ کہئے مولوی صاحب آپ کو ہمارا ہندوستان پسند آیا۔
ہرمزد۔ کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ ہمیں تو مابین ایران و ہندوستان
کوئی تفاوت نظر نہیں آتا۔ فارسی بھی یہاں خوب بولی اور
سمجھی جاتی ہے۔ ہمیں تو تمہارے شاعروں میں ابوالفرج رونی

مسعود سعد سلمان۔ امیر خسرو۔ ضیاء بخشی۔ ابوالفضل۔ فیضی بیدل سب ہی پسند ہیں۔ صائب۔ کلیم۔ عرفی۔ نظیری وغیرہ آئے تو ایران سے لیکن انھوں نے ہندوستانی رنگ خاصہ قبول کر لیا۔

غالب۔ مولوی صاحب میں انھیں نہیں مانتا[1]۔ یہ تو "سپاہی قالینہ"[2] ہیں۔ ہاں امیر خسرو کی بات اور ہے۔

ہرمزد (عبدالصمد)۔ نہیں برخوردار یہ بات نہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے فارسی ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے کہ ایرانی اور غیر ایرانی فارسی کے حسن و قبح کو پرکھ سکو۔ سچ تو یہ ہے کہ تمہاری فارسی کا معیار بہت بلند ہو گیا ہے مجھے مسرت ہے کہ میری محنت اکارت نہیں گئی۔ تمہارے چچا نواب مرزا نصراللہ خاں صاحب کی خواہش میں نے پوری کی۔ کاش تمہارے والد زندہ ہوتے۔

غالب۔ لیکن قبلہ اپنی فارسی دانی سے عجیب مخمسہ میں پھنس گیا۔ میرے دوست احباب میری فارسی دانی پر خار کھاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میری شاعری میں فارسیت کا غلبہ ہے۔

۱۔ ملاحظہ کیجئے پنج آہنگ

۲۔ یہ ترکیب غالب نے استعمال کی ہے۔

عبدالصمد ہرمزد۔ اگر ہو بھی بُرا کیا ہے۔ تمہارے ریختہ میں اتنی جان کہاں کہ خیال کا بوجھ سہار سکے۔ اچھا ہے تم ایک نئی طرز سخن نکالو۔ میر تقی نے ریختہ کے چھ اقسام گنوائے ہیں تم ساتویں کا اضافہ کرو۔

غالب۔ قبلہ میں نے سنا ہے[1] پارسیوں کے "کیش" میں تناسخ بیشتر ہے بہ حسب درجات خیر و شر۔ نکوکار۔ کم آزار اچھی صورت پائیں گے۔ اور بدکاروں کو بُری صورت ملے گی۔ نیکوکار آواگون سے چھٹ جائیں گے اور کوا کب بن جائیں گے۔

ہرمزد (عبدالصمد) نہیں برخوردار۔ ایسا نہیں۔ یہ عقیدہ "زند" اوستا کے ماننے والوں کا ہے ہم زرتشتیوں کو اس سے سروکار نہیں۔ اور اب تو میں توحید پر ایمان لے آیا۔ اب زرتشتی کہاں رہا۔

غالب:۔ خوب یاد آیا۔ مولوی صاحب۔ سنا ہے ایک ہفتہ بعد یہاں مشاعرہ ہونے والا ہے آپ کے پسندیدہ شاعر میر تقی میر بھی اپنا کلام سنانے والے ہیں۔ میرا بھی ارادہ ہے کیا آپ کا بھی چلنے کا قصد ہے۔

[1] یہ جملے غالب ہی کے ہیں جو انھوں نے قاطع برہان کے سلسلہ میں لکھے ہیں اُن کا تو۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

اسی مفہوم پر حاوی ہے۔

ہرمزد ۔ نہیں برخوردار ـــ مجھے "مراختوں"[۱] میں مزا نہیں آتا۔ سنا ہے بیدل کے عرس کے موقع پر فارسی مشاعرہ ہوتا ہے اور تمام شعراء فارسی میں کلام سناتے ہیں۔ تم کبھی مجھے وہاں لے چلو۔

غالب ۔ بہت خوب اب ایک ماہ بعد بیدلؔ کا عرس ہونے والا ہے تب آپ بھی ہمارے ساتھ تشریف لے چلیئے۔ میری چچی کے بھائی نواب الہی بخش خان معروف کی حویلی دہلی میں ہے آپ ان کے ہاں قیام کیجئے گا۔

سین تیسرا

غلام حسین کمندان کی حویلی کا زنانہ حصہ۔ (محل سرا) صاف ستھرا فرش بچھا ہے۔ ایک بزرگ خاتون چوکی پر تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ ان سے کچھ فاصلہ پر غالب کی والدہ اور چچی بیٹھی ہوئی ہیں۔ والدہ چھالیہ کتر رہی ہیں۔ چچی ڈوپٹہ میں گوٹ ٹانک رہی ہیں۔

(غالب ادب سے آداب بجالاتے ہیں)

بزرگ خاتون ۔ آؤ ـــ مرزا نوشہ ـــ اب تو دوستوں میں گل چھرے اڑانے سے تمہیں اتنی فرصت بھی نہیں ملتی کہ کبھی ماں کے یا میرے پاس

۱۔ اس زمانے میں ریختہ کے شاعرے کو مراختہ کہا جاتا تھا۔

آن بیھٹو۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ تمہاری آزادی پہ پابندی لگادیں۔

غالب۔ جی۔ جی کیا فرمایا آپ نے۔

پھوپی۔ یہی کہ اب تم کسی کے پابند ہوجاؤ یعنے شادی کرلو۔

مرزا نوشہ۔ آپ میرے پیروں میں بیڑیاں ڈالنی چاہتی ہیں۔

والدہ۔ نہیں بیٹا یہ بیڑی نہیں۔ تمہارے بھٹکے ہوئے قدموں کو ایک جادہ مل جائے گا۔ مزے سے زندگی کا سفر طے کرنا۔

مرزا نوشہ۔ آپ نے کوئی لڑکی ڈھونڈلی ہے۔

پھوپی۔ اے ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری چچی کے بھائی نواب الٰہی بخش خان معروف کی لڑکی موجود ہے۔ تم نے بھی اسے دیکھا ہے۔ مرزا یوسف کی تسمیہ خوانی پر وہ یہاں بھی آئی تھی۔

مرزا نوشہ۔ اچھا۔ اچھا۔ وہ سرخ وسفید۔ سادہ سی حوروں جیسی معصوم بچی۔

چچی ۔ (خوش ہوکر) ہاں ہاں وہی سو تو وہ تمہیں یاد ہے۔

مرزا نوشہ۔ یاد کیسے نہ رہتی۔ لیکن پھوپی جان حور کا مقام تو جنت ہوتا ہے اس آب و گل کی دنیا میں اس کا کیا کام اس کے لئے تو کوئی پنج وقتہ نمازی شوہر ٹھیک رہے گا آپ اسے مجھ جیسے نکمے اور نکھٹو کے گلے کیوں باندھ رہی ہیں۔

پھوپی۔ اے لڑکے ہوش کی دوا کر۔ اس کا مقام جنت کیوں ہونے لگا۔

ہاں وہ تیرے گھر کو جنت بنا دے گی۔ پھر ہونے والے خسر بھی تو دیکھ کس پایہ کے شاعر ہیں۔ قلعہ کے شاعروں میں ان کی شاعری کی دھوم ہے۔ پشتینی رئیس ہیں۔ جانتے ہو لوہارو اور فیروز پور جھرکا کے پرگنے ان ہی کے ہیں۔

پچی - اجی میاں۔ اُن کی شاعری پر تو جہاں پناہ فدا ہیں۔ ان کے استاد جگت گرو احسان بھی ان کا لوہا مانتے ہیں۔ پچھلے مشاعرے میں انھوں نے بادشاہ سلامت کی غزل پر غزل لکھی تھی اسے کیا کہتے ہیں بھابی غالب کی والدہ سے مخاطب ہو کر)۔

غالب کی والدہ۔ تضمین

پچی - ہاں ہاں وہی۔ خوب بھابی ایسے معلوم ہوتا ہے آپ کو بھی شاعری سے لگاؤ ہے۔ جب ہی تو برخوردار نے سپاہ گری کو چھوڑ کر شاعری کو اپنایا ہے۔

"توبہ"، فضول باتوں میں کام کی بات تو رہی جا رہی ہے۔ میں کل دلی جا رہی ہوں۔ بھائی جان سے ملکر دن تاریخ طے کر لوں گی۔

غالب۔ گنگناتے ہوئے جاتے ہیں۔

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے۔
دام خالی قفس مرغِ گرفتار کے پاس

دوسرا ایکٹ

(جوانی)

(دہلی)

سین پہلا

نواب الٰہی بخش خاں معروف کا دیوان خانہ۔ معروف صدر میں قالین پر بیٹھے ہوئے ہیں، حقہ رکھا ہوا ہے۔ غالب تنگ مُہری کا آڑا پاجامہ، کرتا اس پر جامہ وار کی اچکن مالیدہ کا چغہ پہنے ہوئے ہیں۔ سر پر سیاہ پوستین کی چوگوشہ لمبی ٹوپی ہے۔ ڈاڑھی گھُٹی ہوئی۔ غالب لکھنے میں مصروف ہیں۔ سر اٹھا کر ایک کاغذ معروف کو پیش کرتے ہیں۔

معروف۔ پورے شجرہ کی نقل کرلی۔ بہت جلدی کی۔

غالب۔ قبلہ۔ شجرہ خدا تک پہونچنے کا زینہ ہوتا ہے میں نے درمیان میں ایک ایک نام حذف کر دیا ہے۔ گویا ایک ایک سیڑھی

کسی قدر اچک اچک کر چڑھنی پڑے گی۔

معروف۔ (مسکرا کر) رکھ دو میاں۔ نقل تمہارے بس کا روگ نہیں اچھا یہ بتاؤ تمہیں دہلی آئے ہوئے چھ ماہ ہونے آئے تم نے۔ ابھی تک قلعہ کے مشاعرہ میں شرکت نہیں کی۔ کوئی تازہ غزل کہی ہو تو بتاؤ۔ تاکہ ہم تمہیں دعوت دلوا سکیں۔ استاد ذوق اب کی بڑا زوردار قصیدہ پیش کرنے والے ہیں۔ سنتے ہیں ایک دوغزلہ بھی تیار ہے۔

مرزا نوشہ۔ قبلہ مجھے تو درباداری سے معاف ہی فرمائیے۔ پھر میں دوغزلے سہ غزلے تو لکھتا بھی نہیں صاف بات یہ ہے میں شاعری کرتا ہوں۔ تک بندی اور قافیہ پیمائی نہیں آپ نے دیکھا ہوگا۔ میری اردو غزل ۱۷ اشعار سے کبھی نہیں بڑھتی مجھ پر جب واردات گزرتی اور کیفیات طاری ہوتی ہیں تب قلم سے جذباتِ اشعار کی شکل میں ڈھلتے ہیں رہا قصیدہ۔ قصیدہ تو بندہ کا میدان بھی نہیں اس اشہب کی شہ سواری تو حضرت ذوق ہی کو مبارک ہو۔

معروف۔ برخوردار ابھی تم نے دنیا نہیں دیکھی۔ زمانہ کے سرد و گرم کو نہیں چکھا۔

غالب۔ حضور۔ دنیا قلعہ معلی کی چار دیواری میں نہیں۔ دنیا انسان کے دل میں ہے۔ انسانی ذہن میں ہے میری خلوت میں مجھے وہ ہنگامے نظر آتے ہیں جو قلعہ کے ہنگاموں سے کہیں زیادہ وقیع و وسیع ہیں۔ دیکھئے ایک غزل ہوئی ہے۔

معروف۔ سناؤ۔

غالب:۔ سناتے ہیں۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
تو کبھی نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ بچیں کہاں کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

غالب۔ کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

غالب۔ پھر پڑھنے لگتے ہیں۔
اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا
یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

معروف۔ واہ واہ مرزا نوشہ یہ تو تم نے بہت ہی لاجواب غزل بنائی[1] ہے۔ ہجر کے غم کو کس انوکھے انداز میں باندھا ہے۔ مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا۔ یعنے شبِ ہجر میں روز موت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ خوب اس میں شک نہیں ہجر کا مضمون بہت لوگوں نے باندھا ہے۔ خاصہ پامال مضمون ہے مگر تم نے اس میں بڑی ندرت پیدا کر دی۔ تمہاری

---

[1] اس زمانے میں غزل بنانا محاورہ تھا۔

تمہاری فہم رسا۔ اور عظمت تخیل کا تو میں بھی قایل ہوں۔ طریقہ بیان بھی عجیب اور انوکھا ہے خیالات میں بھی بلند پروازی اور شوکت ہے۔ لیکن تمہاری مشکل پسند طبیعت سے تمہارا کلام مقبول عوام نہیں ہو پاتا۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اپنی زبان میں روانی اور صفائی پیدا کرو۔

غالب۔ قبلہ میں روش عام کو پسند نہیں کرتا۔ ایک رباعی ہوئی ہے سنیئے گا۔

معروف۔ ضرور

مشکل ہے از بس کلام میرا اے دل
سُن سُن کے اسے ملول ہوتے ہیں جاہل

(لفظ جاہل پر چونکنے ہو کر)

معروف۔ کیا کہا۔

غالب۔ معاف کیجئے۔ جاہل کے بجائے شاید مجھے سخنوران کامل

---

1 یہ رباعی غالب نے بزمانہ قیام آگرہ لکھی تھی اس میں لفظ جاہل تھا بعد ازاں دہلی کے قیام کے زمانہ میں اس میں ترمیم کر دی اور سخنوران کامل بنا دیا۔ دونوں رعایات موجود ہیں جس کا حوالہ محمد اکرام نے "غالب نامہ" میں دیا ہے۔

کہنا چاہیئے۔ اب سنیئے۔

مشکل ہے از بس کلام میرا اے دل
سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

معروف۔ اب ٹھیک ہوا۔ ورنہ لوگ کیا کہتے کیا تم مولوی فضل حق خیرآبادی کو جاہل کہو گے۔ حکیم آغا جان عیش کو جاہل کہو گے۔ استاد نے بھی تمہاری مشکل پسندی پر اعتراض کیا ہے۔

غالب۔ اس لئے تو میں نے سخن ورانِ کامل بنا دیا۔

معروف۔ ایک نئی زمین نکالی ہے تم بھی طبع آزمائی کرو۔

غالب۔ فرمائیے۔

معروف۔ شراب تو دے۔

غالب۔ (تھوڑی دیر کچھ سوچتے ہیں) اس کے بعد سنئے۔

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے، شراب تو دے
وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے
ولے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تیری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے
اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

معروف۔ خوب۔ خوب۔ بھئی مرزا نوشہ ہم تمہاری اُستادی کا لوہا مان گئے ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اس پایہ کا سخن سنج داماد ملا۔ تم اب کی بار مشاعرے میں ضرور چلنا میں خاص طور سے جہاں پناہ کو کہکر تمہیں دعوت نامہ بھجواؤں گا۔

غالب۔ کیا حکیم مومن خاں بھی آئیں گے۔

معروف۔ وہ قلعہ کے مشاعروں میں آئے تو ہیں لیکن اپنے کو لئے دیئے رہتے ہیں۔ ان کا بھروسہ نہیں۔ دل میں آیا تو چلے آئیں گے۔

غالب۔ پھر بندہ وہاں نہیں جائے گا۔[1]

معروف۔ کس لئے۔ حکیم کی شاعری تو تمہیں بھی پسند ہے۔

غالب۔ نہیں قبلہ بات یہ ہے کہ اگر دہلی میں میں کسی کو اپنا مدِ مقابل سمجھتا ہوں تو وہی ہے۔ وہ ظالم میرا طرز لے اُڑتا ہے اگرچہ حرف

---

[1] غالب کے اکثر سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ جس مشاعرے میں مومن جاتے تھے غالب شریک نہیں ہوتے تھے۔ صرف ایک مشاعرے میں شرکت کی تھی۔

حسن و عشق کی واردات کو چٹخارہ لے کر بیان کرتا ہے لیکن اس میں اثر ہے۔ دیکھئے کس غضب کا شعر ہے۔ کاش مومن میرا پورا کلام لے لیتا۔ اور اس کے عوض یہ ایک شعر مجھے دے دیتا۔

؎ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا ؛ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

معروف۔ یہ غزل بہت اچھی ہے خصوصاً یہ شعر۔

کس طرح یار کو لکھوں نامہ ؛ ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

غالب۔ (داد دینے کے انداز میں سر ہلاتے ہیں)

معروف۔ آج احمد بخش نے فریزر صاحب کو چائے پر بلایا ہے انتظام دیکھ لوں۔ تم شام میں گھر ہی پر رہو گے نا۔

غالب۔ جی کہہ نہیں سکتا۔ ایک دوست نے بلایا ہے۔

معروف۔ دیکھو برخوردار۔ اب تم گھر گرہستی والے ذمہ دار آدمی بن گئے ہو۔ اب یہ فضول مشغلے ترک کر دو۔ ہم جانتے ہیں تم کہاں جاؤ گے۔ مغل[1] جان کے کوٹھے پر محفل جمے گی۔ سنا ہے وہ آگرہ سے آئی ہوئی ہے۔ یاد رکھو مرزا نوشہ میری بیٹی بہت حساس ہے اس کے دل کو کوئی صدمہ نہ پہونچے۔

---

[1] خط بنام حاتم علی بیگ مہر اس خط سے یہ نام معلوم ہوا۔ غالب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے پہروں اختلاط رہتا تھا۔"

غالب۔ یہ کیا فرما رہے ہیں قبلہ۔ بندہ تو مصری کی مکھی بنا چاہتا ہے۔
شہد کی مکھی نہیں۔ دو گھڑی ہنسی بول لینے سے آپ کی
صاحبزادی کا کیا بگڑتا ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے چچا احمد بخش
صاحب کے صاحبزادے نواب شمس الدین خان پسند نہیں۔
میں تو چاہتا ہوں آپ کی صاحبزادی بھی آئندہ نواب شمس الدین خان
کے گھر والوں سے میل جول نہ رکھے مانا کہ قریبی رشتہ ہے اس
سے کیا ہوتا ہے۔

معروف۔ ہاں مجھے بھی شمس الدین خان کے طور طریقے پسند نہیں۔ احمد بخش
نے غلطی کی جو شمس الدین خان کو اپنا وارث قرار دیا۔ اس سے
تو بہتر ہوتا وہ ضیاء الدین خان یا امین الدین خان میں سے کسی
کو اپنا جانشین چنتے۔

غالب۔ قبلہ۔ آئندہ ہفتہ بیدل کے عرس کے موقع پر فارسی مشاعرہ
ہوگا۔ اجازت ہو تو ہم دونوں میں اور آپ کی صاحبزادی عرس
میں ہو آئیں آپ کے کام کا خاص ہرج نہ ہوتا ہو تو آپ
بھی چلے چلیں۔

معروف۔ نہیں میاں مجھے تو معاف ہی کرو۔ ہاں تم دونوں ہو آؤ۔

سین دوسرا

نواب الٰہی بخش خان معروف کی حویلی کی محل سرا (زنان خانہ)
(ایک حسین و جمیل لڑکی آئینے کے سامنے سنگھار کرتی بیٹھی ہے)
دستک کی آواز

غالب۔ میں آسکتا ہوں۔
بیگم۔ آئیے۔ آجائیے۔
غالب۔ واہ بیگم واہ۔ آج تو غضب کا نکھار ہے۔

دشنۂ غمزہ جانستاں ناوک ناز بے پناہ
تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں

(بیگم شرما کر ڈوپٹے سے منہہ چھپا لیتی ہیں)
غالب۔ آنچل ہٹاتے ہوئے۔

جب وہ جمال دل فروز صورت مہر نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہہ چھپائے کیوں

بیگم۔ یہ آپ دستک دے کر کمرے کے اندر کیوں آتے ہیں؟
غالب۔ اس لئے کہ آپ ٹھہریں پنج وقتہ نمازی اور بندہ گناہ گار سیاہ کار
دستک اس لئے دیتا ہوں کہ آپ کے نماز وظیفے میں خلل نہ ہو

اور آپ کے نیکی کے فرشتے میری چاپ سُن کر چلے جائیں۔

پھر

واں وہ غرورِ عزّ و ناز یاں یہ حجاب پاس وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

بیگم ۔ واہ مجھے بھی کوئی چنا جان منا جان سمجھ لیا ہے جو راہ میں ملنے کہہ رہے ہو۔

غالب ۔ ارے بیگم وہ چنا جان منا جان تو انسان ہیں مجھ جیسے ۔ آپ کی کیا بات ہے آپ تو " حور ہیں حور " ان بیوفاؤں سے آپ کا کیا مقابلہ۔

بیگم ۔ شاید آپ نے ان ہی کے لئے لکھا ہے تحت اللفظ پڑھتی ہیں۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

غالب ۔ خوب بھئی! اب تو تم سخن فہم بھی بن گئیں ماشاء اللہ کچھ ہی دن میں سخن ور بھی بن جاؤ گی۔

بیگم ۔ خدا کی مار اس سخن وری پر، میں تو کبھی نہیں بنونگی۔ آپ نے کیا پھل پایا جو مجھے مشورہ دے رہے ہیں ایک قصیدہ تک تو نہیں لکھا کہ کچھ انعام اکرام ملتا۔ وہی لکھیے۔

ابّا حضور کے استاد کوئی معمولی آدمی کے لڑکے ہیں لیکن شاعری
کی بدولت کتنے بڑے آدمی بن گئے بس آپ تو اپنی جاگیر کے
گھمنڈ میں گمن ہیں۔
غالب۔ توبہ بیگم تم بھی لوگوں کی سنا سنی اس طرح کی باتیں کرنے لگی
ہو۔ میں حقیقی شاعر ہوں۔ شعر فروش نہیں ہوں

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
یہ سنگھار ہو بھی چکے گا یا نہیں
مجھے تو گھائل کر دیا آپ کے گھائل کرنیکے ارادے نے

بیگم۔ پھر وہی دل لگی میں کہتی ہوں آپ نے مجھے بھی کوئی ہرجائی
طوائف سمجھ لیا ہے۔
غالب۔ ہرجائی ہوں تمہارے دشمن۔ تم تو حور ہو۔ اصل میں قدرت
نے تمہیں اس دنیا میں میرا ساتھی بنا کر تم پر بھی ظلم کیا اور
مجھ پر بھی، جنت میں تم مجھے حور کی شکل میں ملتیں تو اچھا تھا۔
بیگم۔ دور پار یہ کیسی بری فال منہ سے نکالتے ہیں آپ جنت تو
مرنے کے بعد ملتی ہے۔
غالب۔ ارے بھائی ہم تو آپ کی جنت کے قائل نہیں ہیں۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

بیگم ۔ توبہ کیا کفر بک رہے ہو ۔

غالب ۔ سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو ۔

بیگم ۔ بس بھی کیجئے بہت ہو گیا ٹھٹول ۔ اچھا اب عرس میں چلنے کے ارادے ہیں یا نہیں ۔ اور سنئے ۔

غالب ۔ فرمائیے آپ کہیں اور میں نہ سنوں ۔

بیگم ۔ وہ میری ایک سہیلی ہیں ۔

غالب ۔ کہئے میں آپ کی سہیلی کی کیا خدمت کر سکتا ہوں ۔

بیگم ۔ پھر وہی مذاق میرا خیال ہے آپ کو حیوان ناطق کی بجائے حیوان ظریف کہا جائے تو مناسب رہے گا ۔ ہاں میں کہہ رہی تھی وہ ہمارے ساتھ چلنا چاہتی ہیں وہ آپ کی شاعری کی بڑی مداح ہے ۔

غالب ۔ اوہو ۔ یہ لالچ تو آپ نے خوب دیا آپ سمجھتی ہیں اس بیان سے میں خوش ہو جاؤں گا ۔ آپ کی سہیلی آپ ہی جیسی فہم و فراست کی مالک ہوں گی بھلا غالب کا کلام یہ آپ

کی صنف سمجھیں گی۔ محترمہ — میرا کلام سمجھنے عرفی نظیری صائب کی روح کو دعوت دیجئے۔ بیدل قبلہ کو قبر سے باہر آنے کی زحمت دیجئے۔ ہوں۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔ (رک کر) اچھا ان کا کچھ اتا پتہ تو بتائیے۔ کہیں یہ حکیم مومن خاں کی مریضہ امتہ الفاطمہ تو نہیں؟

بیگم۔ (آواز دبا کر) وہ مغل جان ہیں نا آگرہ والی انھوں نے ایک غریب لڑکی کو گود لے لیا تھا اسے لکھایا پڑھایا موسیقی کی تعلیم دی۔ وہ اسے اپنے جیسا کوٹھے پر بٹھانا نہیں چاہتیں بلکہ کسی شریف آدمی سے اس کا عقد کرنا چاہتی ہیں۔ پچھلے ہفتہ چچا جان کے ہاں کی دعوت میں وہ مغل جان کے ساتھ آئی تھی۔ مغل جان تو باہر بیٹھی رہی۔ اس لڑکی کو انھوں نے ہم لوگوں کے پاس زنان خانہ میں بھجوا دیا تب ہی سے وہ میری سہیلی بن گئی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میں آپ کی بیوی ہوں تو وہ اور بھی خلوص سے ملنے لگی۔ اسے آپ کے بہت سے اشعار یاد ہیں اور ظالم نے گلا تو اس غضب کا پایا ہے کہ بیان سے باہر لیکن وہ مجمعوں میں نہیں آتی۔ سنا ہے مغل جان اسے مردانہ محفلوں میں جانے نہیں دیتیں زنانہ کی خاص خاص محفلوں

میں گاتی ہے۔

غالب۔ اخاہ۔ یہ سلسلے ہیں اب طوائف زادیوں سے گاڑھی چھننے لگی۔
ہمارا کلام آپ کے ابا حضور کو پسند نہیں صاحبزادی کے یہ
لچھن دیکھ پاویں تو۔

بیگم۔ آپ بھی غضب کرتے ہیں کہیں ابا جان سے اس کا ذکر نہ کیجیے گا۔
میں نے تو صرف آپ کے سامنے تذکرہ کیا۔ یہاں یہ کہنا بھول ہی
گئی اسے آپ کی لکھی ہوئی بہت سی غزلیں یاد ہیں۔ ایک غزل
ہمیں سنائی مجھے تو پتہ بھی نہ تھا۔ آپ کا تخلص غالب آیا تب
میں سمجھی کہ یہ آپ کی لکھی ہوئی ہے۔

غالب۔ تم بتا سکتی ہو۔ کونسی غزل تھی؟

بیگم۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آخر میں "اپنا" آتا ہے۔

غالب۔ اچھا یہ ... تو نہیں۔

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا ÷ بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

بیگم۔ ہاں۔ یہی۔

غالب۔ ارے بھئی پھر ملاؤ نا ان سے پردہ تو وہ کاہے کو کرتی ہوگی۔

بیگم۔ جی نہیں وہ کھلے بندوں کسی کے سامنے نہیں نکلتی ممکن ہے
آپ کے سامنے آجائے۔ وہ یہیں ہے، میں بلا لاتی ہوں۔ وہ
ہمارے ساتھ بیدل کے عرس میں چلنا چاہتی ہے۔ تاکہ آپ کا

فارسی کلام سن سکے۔

غالب۔ کیا وہ فارسی بھی سمجھتی ہے۔

بیگم۔ جی ہاں مغل جان نے اسے محمد معظم سے تعلیم دلوائی ہے وہی جو آپ کے بھی استاد رہ چکے ہیں۔

(بیگم چلی جاتی ہیں)

غالب۔ (ٹہلتے ہوئے گنگناتے ہیں)

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا
رشتہ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا

مرقد عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا
کس قدر یارب ہلاک حسرت پابوس تھا

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو
دل بہ دل پیوستہ گویا اک لب افسوس تھا

کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیان
جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

(چھن چھن کی آواز)

بیگم۔ آ بھی جاؤ۔

سامنے ایک بھری جمال لڑکی آن کھڑی ہوئی ہے غالب گھبرا

جاتے ہیں پھر لبوں پر تبسم آ جاتا ہے۔

لڑکی۔ تسلیمات۔

غالب۔ تسلیمات۔ کورنش۔ آداب۔

ہائیں آپ تو کوئی جواب ہی نہیں دیتیں۔ بس نظر کے سامنے ایک بجلی کوند گئی (بیگم سے مخاطب ہو کر)۔

بیگم میں نے غالباً اس موقع کے لئے لکھا تھا۔

بجلی ایک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا

بات کرتے کہ میں لبِ تشنۂ تقریر بھی تھا

بیگم۔ اے لیجئے پھر آپ شعر و شاعری کرنے لگے۔ بس ہو چکا عرس میں جانا۔ چلئے بھی دیر ہوئی جاتی ہے۔

غالب۔ چلئے چلئے بسم اللہ۔ لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے شوخی سے)

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح

دیکھ کے میری بے خودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

بیگم۔ (پیچھے مڑ کر) کچھ کہا آپ نے۔

غالب۔ میں مشاعرہ میں جو غزل پڑھنے والا ہوں اس کو دہرا رہا تھا۔

لڑکی۔ تو یوں کہیئے آج آپ مشاعرہ میں اپنا اردو کلام سنانے والے ہیں۔

غالب۔ سبحان اللہ۔ آپ لوگ اردو فارسی کا بھی فرق سمجھنے لگیں۔ محترمہ

میری اُردو اُردو کہاں دو تہائی فارسی ہے۔

چلئے بہت دیر ہوگئی۔

ڈراپ سین

پس منظر عرس کی چہل پہل

پس پردہ فارسی قوالی۔ غالب کی فارسی غزل آہنگ کے ساتھ۔

فارسی غزل

دل بردہ حق آن است کہ دلبر نتواں گفت
بے داد تواں دید و ستمگر نتواں گفت

در رزم گہش بادہ و ساغر نتواں گفت
رخشندگی ساعد و گردن نتواں گفت

پیوستہ دہد بادہ و ساقی نتواں خواند
ہموارہ تراشد بت و آذر نتواں گفت

کائے عجیب افتاد بدیں شیفتہ مارا
مومن نہ بود غالب و کافر نتواں گفت

سین تیسرا

(مرزا غالب کا دیوان خانہ۔ مرزا کھوئے ہوئے انداز میں بیٹھے ہیں اُن کے دوست فضلِ حق خیرآبادی) داخل ہوتے ہیں)

فضلِ حق۔ کیوں مرزا نوشہ کچھ کھوئے ہوئے سے نظر آتے ہو کیا بات ہے۔

غالب۔ مولوی صاحب نہ پوچھیے۔

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی۔

فضلِ حق۔ کیوں خیریت تو ہے کیا بات ہوئی۔ پنشن کا معاملہ تو طے ہو گیا نواب احمد بخش خان کے حصہ داروں میں تمہارا بھی نام ہے۔ ساڑھے سات سو سالانہ کی پنشن ملا کرے گی۔

غالب۔ یہ بات نہیں مولوی صاحب طبیعت میں عجیب سی وحشت ہے۔ جی چاہتا ہے گھر بار چھوڑ کر کہیں دور چلا جاؤں۔ جہاں ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے سینہ میں ایک آگ لگی ہے۔ جو نہ لگائے لگتی ہے نہ بجھائے بنتی۔

فضلِ حق۔ ارے بھئی ہم تم سے تمہارا تازہ کلام سننے آئے تھے۔ پچھلے ماہ قلعے

کے مشاعرہ کو تم نے لوٹ لیا۔ غضب کی غزل کہی ہے۔ مرزا ہم مانتے ہیں تمہاری استادی کو، تم طرزِ بیدل سے بھی نکل رہے ہو۔ کیا غزل تھی واہ صاحب میں تو دیر تک سر دھنتا رہا۔ (پڑھتے ہیں) ؎

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

اور کیا۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

خصوصاً ان دو شعروں پہ تو میں پھڑک گیا۔

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

اور

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہم دم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

بادشاہ سلامت کے تیور بتا رہے تھے کہ ان کو یہ شعر ع
قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہم دم۔ بہت پسند آیا۔

ہے بھی خفقت۔ مغلیہ سلطنت کا دم خم ختم ہو گیا اب تو برائے نام
بادشاہت ہے۔ پھر بھی یہ باور کرنے جی نہیں چاہتا کہ۔
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو
غالب۔ شکریہ۔ آپ ہی کے ایما سے تو میں نے سہل نگاری یا یوں کہئے
سہل انگاری شروع کی ہے۔ پہلے تلاش مضمون میں سر کھپاتا تھا
اب معلوم ہوتا ہے جذبات الفاظ کا جامہ پہن کر باہر آ رہے ہیں۔
ایک غزل اور بنائی ہے سنئے گا۔
فضل حق۔ کیوں نہیں۔
غالب۔ سنئے۔ (سنانے کے انداز میں)

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آ جائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے
خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے
وہ بدخو اور میری داستان عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے
ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے مجھ سے

تکلف بر طرف نظارگی میں ہی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے
قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

(اس اثنا دیں کبھی سر کے اشارے سے کبھی واہ واہ کہہ کر فضلِ حق داد دیتے ہیں)۔

فضلِ حق۔ کیا کلام ہے۔ بجلیاں بھری ہوئی ہیں۔ اچھا بھئی چل دیئے۔ یار زندہ صحبت باقی۔

(فضلِ حق چلے جاتے ہیں غالب اضطراب میں ٹہلتے رہتے ہیں۔ دروازہ پر آہٹ ہوتی ہے۔ بیگم داخل ہوتی ہیں)

بیگم۔ نصیب دشمناں مزاج کیسا ہے۔ آج آپ زنان خانے میں نہیں آئے۔

غالب۔ آؤ بیگم آؤ۔ خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

بیگم۔ میں پوچھتی ہوں آپ کو کبھی اس شعر و شاعری کے مشغلے سے نجات بھی ملے گی یا نہیں۔ اب تو مجھ نگوڑی سے بھی باتیں شاعری میں ہونے لگیں۔

غالب۔ واہ بیگم تم ہی تو میری شاعری کی جان ہو۔ تم سے نہیں تو

کسی اور نگوڑی سے باتیں کروں۔ سنو اس وقت میری طبیعت
بہت پریشان ہے کوئی ایسی تدبیر کرو کہ طبیعت بہل جائے
ورنہ جانتی ہو میں کیا کروں گا۔ داروغہ کو بلوا کر ابھی دن ہی
میں دو۔۔۔۔۔۔۔ جا۔۔۔۔۔ جام

بیگم۔ کیا کہا۔ اب دن میں بھی شراب پینی چاہتے ہو میں کہے دیتی
ہوں یہ باتیں ٹھیک نہیں۔ ابا جان مرحوم کے بعد تو آپ
بہت ہی کھل کھیلے ہیں۔ ہاں میں یہ بتانے آئی تھی کہ میں یہ
کرایہ کا مکان دیکھ آئی مجھے تو پسند نہیں۔[1]

غالب۔ کیوں۔ پسند کیوں نہیں۔

بیگم۔ سنتی ہوں اس میں بلا ہے۔

غالب۔ توبہ کیجئے بیگم۔ بھلا آپ سے بھی بڑھ کر کوئی بلا ہو سکتی ہے۔
فکر نہ کیجئے جب آپ جا کر رہنے لگیں گی وہ بلا خود بخود بھاگ
جائے گی ایک بلا کے سامنے دوسری بلا نہیں رہ سکتی۔ بھلا
کہیں ایک میان میں دو تلواریں سما سکتی ہیں۔

بیگم۔ پھر اول فول شروع ہو گئی۔ دوسری اطلاع یہ دینے آئی
تھی کہ وہ میری دوست آئی ہے۔

---

[1] لطیفہ یادگار غالب۔

غالب۔ آپ کی دوست ہو یا دشمن مجھ سے مطلب۔
بیگم۔ آپ ہی تو کہتے تھے کبھی وہ آئے تو آپ کو اطلاع دوں۔ ابھی آپ نے کہا طبیعت گھبرا رہی ہے میں نے سوچا اس سے آپ کی کوئی غزل گوا کر سنیں گے دو گھڑی طبیعت بہل جائے گی۔ وہ اپنے ساتھ ستار بھی اٹھا لائی ہے۔ کہئیے تو بلا لوں۔
غالب۔ طبیعت مکدر ہے۔ خیر تمہاری خواہش ہے تو بلا لو ہم نے ایک نئی غزل بنائی[1] ہے۔ تمہاری سہیلی سے گوا کر سنیں گے۔
بیگم۔ وفادار[2]۔ اے وفادار۔ ذرا ان بیگم صاحبہ کو یہاں بلا لاؤ۔ ہاں ان کے ساتھ جو سامان ہے وہ بھی لیتی آنا۔
(وفادار جا کر لڑکی کو ساتھ لاتی ہے)
لڑکی۔ بندی تسلیم بجا لاتی ہے۔
غالب۔ تسلیمات کہئیے کیسے زحمت کی، شعر تو بیگم کے لئے لکھا ہے۔ خیر آپ ان کی سہیلی ہیں نا آپ کی نذر کرتا ہوں (شرارت سے ہنستے ہوئے)۔

---

[1] اس زمانے میں غزل لکھنا نہیں وہ غزل بنانا محاورہ تھا۔
[2] "وفادار" غالب کی ملازمہ کا نام۔ ملاحظہ کیجئے "یادگار غالب"۔

سر پر سے آنچل ہٹا کر سنئے۔

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالبؔ
خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

لڑکی ۔ کیا۔

غالب۔ ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تم ہی کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

بیگم ۔ توبہ یہ آپ کو ہو کیا گیا ہے ۔ بس شاعری میں باتیں کئے چلے جا رہے ہیں۔

غالب ۔ دیکھا بھئی تم نے ہماری بیگم صاحبہ کو ۔ ہم نے ان ہی کے لئے تو کہا ہے۔

بلائے جان ہے غالبؔ اس کی ہر بات
عبارت کیا ۔ اشارت کیا ۔ ادا کیا

(لڑکی ہنستی ہے)

غالب ۔ میں پوچھتا ہوں یہ غنچۂ ناشگفتہ وا ہوگا یا نہیں۔

بیگم ۔ لو اب شاعری چھوڑ کر فارسی میں گفتگو کرنے لگے ۔ آپ سیدھی سادھی اردو میں باتیں کیوں نہیں کرتے ۔ اچھا نکالئے ۔ آپ کی غزل آج ان سے سنیں گے ۔ بھئی ستادہ اک زمانہ سے اُن کا

اصرار ہے کہ ان کی غزل تم گا کر سناؤ۔

غالب۔ ان سے کیوں پوچھتی ہو۔ مجھ سے پوچھو......... لو

(کاغذ ہاتھ بڑھا کر دیتے ہیں۔)

لڑکی۔ پہلے تحت اللفظ پڑھتی ہے۔ پھر ساز ٹھیک کر کے گاتی ہے۔

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اس پہ بن آئے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یوں ہی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے
موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں۔ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

(لڑکی کے گانے سے سماں بندھ جاتا ہے۔ غالب مضطرب نظر آتے ہیں اس اثنا میں کبھی ٹہلتے ہیں کبھی تکیہ سینہ سے لگا لیتے ہیں بیگم چھالیہ کاٹنے میں مصروف رہتی ہیں)

غالب۔ واہ جناب واہ۔

ساقی یہ جلوہ دشمن ایماں و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

سچ ہے صاحب سچ۔

تماشائے گلشن تمنائے چیدن
بہار آفرینا گنہ گار ہیں ہم

لڑکی سے مخاطب ہو کر۔ ارے بھئی اس غزل کے متعلق آپ بھی تو کچھ کہیئے۔

کچھ نہ کہیئے تو دشنام ہی سہی
آخر زبان تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

بیگم۔ سنو تو وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

لڑکی۔ آپ جیسے عظیم شاعر کے سامنے میری زبان نہیں کھلتی۔ میں تو اسے شاعری نہیں "ساحری" سمجھتی ہوں (یکایک) مرزا صاحب آپ نے کبھی کسی کے لئے مرثیہ بھی لکھا ہے۔

غالب۔ (شرارت سے بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے) اس کی ابھی تک نوبت ہی نہیں آئی۔ اور نہ آنے کی توقع ہے۔

بیگم۔ ٹھیک ہی تو کہتی ہیں یہ۔ مرثیے لکھو تو نجات کی راہ مل جائے گی۔ سنا ہے جو آنکھ "غم حسین" میں تر ہو جائے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

(لڑکی اور غالب مسکراتے ہیں)

لڑکی۔ بہت دیر ہو گئی۔ اماں انتظار کر رہی ہونگی۔ بندی اجازت چاہتی ہے۔

غالب۔ اتنی جلدی۔

بیگم۔ (ملازمہ کو آواز دیتی ہیں) وفادار۔ کہاروں سے کہو پینس لے آئیں۔

غالب۔ کیا خدا حافظ کہنے کی ضرورت ہے۔ میں تو اپنی امانت خدا کو بھی سونپتے ہوئے ڈرتا ہوں۔

بیگم۔ یہ آپ کی امانت کب سے ہو گئی؟

غالب۔ چلو میری نہ سہی تمہاری سہی بیگم مجھ میں اور تم میں کوئی فرق ہے۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

(لڑکی چلی جاتی ہے)

غالب۔ شکریہ بیگم اس وقت طبیعت بہت گھبرا رہی تھی تمہاری
اس سہیلی کی آمد سے تھوڑی دیر کے لئے طبیعت بہل گئی۔
مگر یہ لڑکی مجھے مریض نظر آتی ہے میں تو کہنا چاہتا تھا۔
"ہو کے عاشق وہ پری رو اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے"
تمہارے ڈر سے چپکا ہو رہا۔ اس سے کہو حکیم مومن خان مومن
سے رجوع ہو جائے۔

بیگم۔ مغل جان کہتی تھیں انھوں نے بھی یہی مشورہ دیا تھا سنا ہے
یہ دن بھر کمرے میں منہ اوندھائے پڑی رہتی ہے۔ نہ ہنسنا
نہ بولنا مغل جان اس کی صحت کی طرف سے بہت متفکر
رہتی ہیں۔

غالب۔ (اپنے آپ)
ہائے اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

سین چوتھا

(غالب کی محل سرا - دیوان خانہ - غالب سیاہ اچکن میں کھوئے کھوئے بیٹھے ہیں - سر کے بال پریشان ہیں - سامنے صراحی اور گلاس رکھا ہوا ہے - صراحی سے جام میں شراب انڈیلنا چاہتے ہیں - ان کا ملازم کلیان سامنے آکر ان کے ہاتھ سے صراحی لینی چاہتا ہے۔" (کلیان کی طرف دیکھ کر)

غالب - میاں کلیان - اب تم بھی میری شراب نوشی کے مانع ہونے لگے۔ امان

مئے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
ایک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

کلیان - بیگم صاحبہ مغل جان کے گھر سے لوٹیں یا نہیں ؟

(آپ ہی آپ)

تاب لاتے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

ٹہلنے لگتے ہیں)۔

جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

(دستک کی آواز)

کلیان - کون ہے -

منشی نبی بخش حقیر - مرزا صاحب سے کہو حقیر آیا ہے۔

غالب - آجاؤ منشی آجاؤ -

(منشی نبی بخش داخل ہوتے ہیں۔ منشی صاحب کا لباس اس زمانے کے متوسط آدمی کا سا ہے ۔چغہ ترکی ٹوپی۔ تنگ مہری کا پاجامہ ہاتھ میں چاندی کی مٹھ والا عصا -

(منشی حیرانی سے غالب کو دیکھتے ہیں)

منشی نبی بخش حضور - یہ پریشان حالی کس لئے - کیا بات ہے۔

غالب - منشی میں زندگی کو بازیچۂ اطفال سمجھتا تھا - آج مجھے معلوم ہوا غم کیا ہے - سچ تو یہ ہے جب تک "دم" ہے تب تک "غم" ہے -

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

منشی موت کتنی بھیانک شئے ہے - جو سب نشے کافور کر دیتی ہے۔

پھول کھلنے سے پہلے آخر کیوں مرجھاتے ہیں - میں عشق کو خلل دماغ سمجھتا تھا - آہ -

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے
حوراں خلد میں تیری صورت مگر ملے
شعر سنو گے۔ تم شعر سننے آئے تھے نا۔ لو سنو
آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سوز غم ہائے نہانی اور ہے
منشی نبی بخش۔ اس بے قراری کا باعث
غالب۔ نہ پوچھو۔

گلشن میں بندوبست برنگ دیگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرون در ہے آج
آج ہے ایک پارہ دل ہر فغاں کے ساتھ
تار نفس کمند شکار اثر ہے آج
اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل
سیلاب گریہ درپئے دیوار و در ہے آج
(غزل پڑھنے کے بعد)
منشی ایک کام کرو گے۔
منشی نبی بخش۔ فرمائیے۔
غالب۔ کلیان قلم دوات لا۔ جو میں لکھوانا چاہتا ہوں لکھو۔ شعر لکھواتے

جانتے ہیں۔

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تیری غفلت شعاری ہائے ہائے
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری ہائے ہائے
کیوں میری غم خوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوست داری ہائے ہائے
عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
عمر بھر کو بھی تو نہیں پائیداری ہائے ہائے
شرم رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

منشی نبی بخش حقیر۔ (قلم رکھ کر) حضور میں نے سنا ہے۔ آپ کا ارادہ دہلی سے باہر جانے کا ہے۔

غالب۔ ہاں میاں۔ اب دہلی میں دل نہیں لگتا۔ قلندری[1] و آزادگی و ایثار و کرم کے جو داعیے میرے خالق نے مجھ میں بھر دیئے ہیں۔ بقدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے نہ وہ طاقت جسمانی کہ ایک لاٹھی ہاتھ میں لوں اور اس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا لوٹا مع سوت

[1] منقول از خطوطِ غالب۔

کی رسی کے لٹکا یوں اور پیادہ پا چل دوں۔ کبھی شیراز جا نکلا کبھی مصر جا ٹھہرا کبھی نجف جا پہنچا۔ مصر اور شیراز تو قسمت میں نہیں کلکتہ البتہ جانا چاہتا ہوں۔ اخبار آئینہ اسکندر کے مدیر مولوی سراج الدین کا ایک زمانہ سے تقاضا ہے۔

منشی نبی بخش حقیر۔ بندہ بھی کول جا رہا ہے۔ واپسی کے بعد انشاء اللہ ملاقات ہوگی (منشی نبی بخش جاتے ہیں)

ڈراپ سین

سین پانچواں

(کلکتہ)

(مولوی سراج الدین احمد مدیر "آئینہ اسکندر" کا مکان حجرہ میں صوفے پڑے ہوئے ہیں۔ سلسلے سے کرسیاں بھی رکھی ہیں دوسری طرف کھانے کی میز جس کے اطراف کرسیاں رکھی ہیں۔ صوفے پر ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ مولوی سراج الدین "آئینہ اسکندر" کے مدیر ہیں۔ ملازم داخل ہوتا ہے۔ سراج الدین پیچوان سے شغل فرما رہے ہیں)۔

(دعوت کا سا منظر پیش کیا جائے)

(دعوت کا سامنظر پیش کیا جائے)

ملازم ۔ حضور عزت مآب کفایت خان سفیر ایرانی آرہے ہیں پیشوائی کے لئے تشریف لے چلئے ۔

(کفایت خان ایرانی لباس میں داخل ہوتا اور مولوی سراج الدین سے مصافحہ کرتا ہے)

کفایت خان ۔ برادرم سراج الدین وہ شاعر ہندی کہاں ہے ۔ جس کا فارسی کلام ہمیں بہت پسند ہے ۔ کیا وہ ابھی نہیں آئے ۔

سراج الدین ۔ اب آیا ہی چاہتے ہوں گے ۔ آج میں نے چند اور احباب کو کھانے پر بلا لیا ہے ایک میر حسن علی[1] ہیں جو لندن میں ہندوستانی کے پروفیسر جان شکسپیر کے ساتھ ہندوستانی زبان انگریز طلباء کو سکھاتے ہیں ۔ ان کی بیگم بھی آنے والی ہیں مسز حسن علی ہیں تو انگریز کیں ہندوستانی مسلمانوں میں بہت گھل مل گئی ہیں وہ

---

[1] ۔ ملاحظہ کیجئے غالب نامہ صفحہ ۳ ۔ میر حسن علی نے ۱۸۱۰ء میں لندن میں ہندوستانی کے پروفیسر شکسپیر کے معاون ہو کر رہے تھے ولایت سے واپسی پر ایک اعلیٰ گھرانے کی انگریز خاتون سے شادی کر کے اسے ساتھ لائے تھے ۔ مسز حسن علی تقریباً ۱۲ سال ہندوستان میں رہیں اس اثناء میں ہندوستانی مسلمانوں پر انھوں نے ایک مفصل کتاب لکھی ہے جس کا نیا ایڈیشن حال میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی طرف سے نکلا ہے ۔ کلکتہ میں غالب کی حسن علی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی ۔

ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق ایک کتاب لکھ رہی ہیں بہت ذہین خاتون ہیں۔

(ملازم داخل ہوتا ہے)

ملازم۔ حضور وہ دلی والے مہمان آگئے۔ ان کے ساتھ نواب کرم حسین خان بھی ہیں۔

(مولوی سراج الدین احمد پیشوائی کے لئے جاتے ہیں)

(اس اثناء میں مسٹر و مسز حسن علی بھی آجاتے ہیں۔ مسٹر حسن علی وکٹوریائی عہد کا انگریزی لباس پہنے ہوئے ہیں)

(غالب مالیدہ کا چغہ اور سیاہ پوستین کی چوگوشہ لمبی ٹوپی پہنے ہوئے آتے ہیں۔

غالب۔ (کانا پھوسی کے انداز میں) اماں یار سراج الدین تم نے مجھے نمائش کا حیوان بنا ڈالا اتنے سارے لوگوں کو اکٹھا کر لیا۔

(مولوی سراج الدین خاموشی کا اشارہ کرتے ہیں) زور سے تشریف لائیے مرزا صاحب دیکھئے یہ سب آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں مہمانوں کا یکے بعد دیگرے تعارف کرایا جاتا ہے یہ ہیں ہمارے ایرانی سفیر وہ آپ کے فارسی کلام کے بڑے مداح ہیں (مولوی حسن علی کی طرف رخ کر کے) آپ ہیں

مولوی حسن علی۔ ہیں تو لکھنؤ کے لیکن ادھر کچھ دنوں سے لندن میں قیام ہے۔ جہاں یہ طلباء کو ہندوستانی پڑھاتے ہیں پتہ ہے وہاں وہ آپ کا کلام طلباء کو پڑھاتے ہیں (غالب مسکرا کر ہاتھ ملاتے ہیں)

(مسز حسن علی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہیں۔ غالب ٹھٹک جاتے ہیں پھر بڑے شوق سے اپنا ہاتھ آگے کر دیتے ہیں)

(سراج الدین کی طرف دیکھ کر)

اماں تمہارا دیوان خانہ کا ہے کو ہے اخبار "آئینہ اسکندر" کا چلتا پھرتا دفتر ہے سب ہنستے ہیں کھانے کے لئے جاتے ہیں کھانے کے دوران)

مسز حسن علی۔ ول مرزا صاحب۔ ہمیں اُردو نہیں آتی لیکن مسٹر علی ہمیں تمہارے کلام کا ترجمہ سناتا ہے تو ہمیں بہت پسند آتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا تھا کہ تم نے کوئین وکٹوریہ[1] کو بھی اپنا "شعر" بھیجا ہے (غالب ہنستے ہیں)۔

غالب۔ ہاں بیگم صاحب (رک کر) آپ کو بیگم صاحب کہنا اچھا نہیں۔ میم صاحب بھی آپ معلوم نہیں ہوتیں۔ میں آپ کو "بی بی"

---

[1] غالب کا ایک قصیدہ ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں ہے۔

کہوں گا۔ ہمارے ہاں بزرگ مرد اپنے سے کم عمر خواتین کو اس
طرح مخاطب کرتے ہیں اس میں اپنائیت پائی جاتی ہے۔ ہاں تو
"بی بی" تم نے کہا تھا کہ ہم نے اپنا "شیر" (شعر) بھیجا تھا۔
تم جانتی ہو ہم خود شیر ہیں۔ ہمارا نام اسد اللہ خان ہے "اسد"
کے معنے "شیر" ہیں ایک "شیر" دوسرے شیر کو اور کیا
تحفہ بھیج سکتا ہے۔

کفایت خان[1]۔ برادرم آپ کبھی ایران آئیے۔ آپ تو ہم ایرانیوں
جیسی فارسی لکھتے ہیں۔ میں نے آپ کی "پنج آہنگ" دیکھی ہے۔

غالب۔ خواہش تو تھی کہ ایک ٹین کا لوٹا مع سوت کی رسی کے لٹکالوں
اور پیادہ پا چل دوں کبھی شیراز جانکلا کبھی مصر میں جا ٹھہرا کبھی
نجف جا پہنچا۔ "قلندری و آزادگی کے جو داعیئے میرے خالق
نے مجھ میں بھر دیئے ہیں بہ قدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے۔

(کھانا ختم ہو جاتا ہے سب اُٹھ کر مونڈھوں اور صوفوں پر بیٹھ جاتے
ہیں۔)

(مولوی سراج اعلان کرتے ہیں)

---

[1] سفیر ایرانی جس سے غالب کی کلکتہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ ملاحظہ کیجئے
"غالب نامہ" "یادگار غالب" "سیر المصنفین"۔

سراج الدین۔ آج شاعر بے عدیل۔ نثار بے مثل "مرزا غالب دہلوی"
کی آمد کے موقع پر میں نے موسیقی کا بھی انتظام کیا ہے امید ہے
کہ آپ لوگ تھوڑی دیر اور تشریف رکھیں گے اور موسیقی سماعت
فرمائیں گے۔
(سازندوں کے ساتھ ایک حسین و جمیل طوائف آتی ہے)
سلیقہ سے کورنش بجالاتی ہے پھر سراج الدین احمد سے مخاطب
ہو کر پوچھتی ہے۔
اجازت ہے۔
سراج سر کے اشارے سے رضامندی ظاہر کرتے ہیں۔ طوائف
مرزا غالب کی غزل شروع کرتی ہے۔

غزل

مدت ہوئی ہے یار کو مہمان کئے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے
پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے
بام دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے
پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرض متاع عقل و دل و جاں کئے ہوئے
پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذر دلفریبی عنواں کئے ہوئے
مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کئے ہوئے
اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستاں کئے ہوئے
پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بار منت درباں کئے ہوئے
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے
غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

(غالب پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مسز حسن علی بھی متاثر ہیں)۔

مسز حسن علی ۔ مرزا جی ۔ یہ عورت آپ کا کلام گا رہی ہے ۔ (غالب اثبات سے سر ہلاتے ہیں) ہم کو بھی کچھ کچھ سمجھ پڑ رہا ہے ۔ ہم گھر جا کر مسٹر علی سے کہیں گے کہ اس کا ترجمہ کر کے ہمیں دیں اس میں آپ نے پاسٹ میرا مطلب گزرے ہوئے زمانہ کو یاد کیا ہے نا ۔ ہمیں بھی اپنا پاسٹ یاد آ رہا ہے ۔

(غزل ختم ہو جاتی ہے)

غالب ۔ بہت خوب ایک کشتی میں ایک اشرفی طوائف کی نذر کرتے ہیں ۔ بی صاحبہ آپ نے ہماری غزل بڑی عمدگی سے سنائی ۔ آپ کو استاد ذوق کا بھی کلام یاد ہے ۔

طوائف ۔ استاد ذوق کون ؟

غالب ۔ لو ۔ تم نہیں جانتیں استاد شاہ ہیں بھئی ۔

سراج الدین ۔ مرزا صاحب ۔ استاد کی شاعری لال قلعہ کی چہار دیواری میں بہت گونجی دور دراز کے خطوں پر تو آپ ہی کے نام کا سکہ چلتا ہے ۔

(غالب مسکرانے لگتے ہیں)

(خاص دان میں گلوریاں آئی ہیں اس کے ساتھ چکنی ڈلی بھی ہے)

نواب کرم حسین ۔ بھئی کچھ بھی ہو ہم تو استاد ذوق کی زبان دانی کے قائل ہیں اچھا مرزا (چکنی ڈلی ہتھیلی پر رکھ کر) ہم تو اس وقت آپ کی

شاعری کا لوہا مانیں گے جب آپ فی البدیہہ اس پر چند اشعار کہہ دیں۔
آپ بھی فیضی پر اعتراض کر رہے تھے نا جس نے اکبر بادشاہ
کے سامنے ڈھائی سو شعر کا قصیدہ فی البدیہہ سنایا تھا۔

غالب ۔ نواب صاحب۔ "اب بھی اللہ کے بندے ایسے موجود
ہیں کہ دو چار شعر تو ہر موقع پر ہلا ہنسا کہہ سکتے ہیں"[1] یہیے
آپ چکنی ڈلی پر اشعار سنا چاہتے تھے نا سنئے۔
(فی البدیہہ یہ پڑھتے ہیں)

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیئے
خامہ انگشت بہ دنداں ہے اسے کیا لکھیئے
ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے
خاتمِ دست سلیمان کے مُشابہ کہیئے
سرِ پستاں پری زاد سے مانا کہیئے
کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجئے
کیوں اسے مردمکِ دیدہ عنقا کہیئے

---

[1] ۔ یہ جملہ غالب کے خطوط میں ہے۔

کیوں اسے تکمہ پیراہن لیلیٰ کہئے
کیوں اسے نقش پئے خامہ مانی کہئے
بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجئے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے

(سب حاضرین واہ مرزا واہ کمال کر دیا۔ تحسین کے نعرے)

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ

(بڑھاپا)

سین پہلا

(دہلی)

غالب کی محل سرا۔ اس دفعہ غالب کے چہرے پر ڈاڑھی ہو جو نہ زیادہ لمبی ہو نہ مولویانہ طرز کی دو ڈھائی انگل کی ڈاڑھی۔ سر منڈا ہوا۔ بر کا پاجامہ کھلی آستین کا الفی گریبان کا کرتا۔ اس پر مرزائی۔ غالب غرق مطالعہ ہیں۔ ہاتھ میں پنسل ہے جس سے ایک بیاض پر کچھ نوٹ کرتے جاتے ہیں

(دستک کی آواز)

کلیان جا کر دیکھ آتا ہے۔

کلیان۔ حضور حکیم احسن اللہ خان صاحب اور مولوی فضل حق صاحب آئے ہیں۔

(احسن اللہ خاں اور فضل حق داخل ہوتے ہیں)

احسن اللہ خاں ۔ مبارک مرزا بادشاہ سلامت نے تمہیں شاہی مورخ مقرر کیا ہے۔ کل ہی فرمان جاری ہوا ہے ۔ ہم سمجھ رہے تھے تم ہمیں اطلاع دو گے مگر معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کے ڈر سے اپنے دوستوں کو بھی اطلاع نہیں دی۔ (کلیان سے) بھابی سے کہنا ایک زور دار دعوت کا انتظام کریں۔

غالب۔ بھائیو ۔ آپ کی مبارک باد کا شکریہ لیکن اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔ شعر پڑھتے ہیں۔

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہر گردوں ہے چراغ راہگذار باد یاں

بہادر شاہ ظفر کی شاعری چراغ رہ گزر ہے مولانا۔ جسے باد بجھانے پر تلی ہے۔ پھر تہنیت کیسی اور مبارک باد کیوں۔ سچ تو یہ ہے کہ اہل ہمت کے نزدیک دنیا اور حشمت دنیا بے کار ہے۔

(فضل حق کی طرف مڑ کر)

مولانا میں آج کل تصوف کے متعلق کتابیں پڑھ رہا ہوں ایک شعر موزوں ہوا ہے۔

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

فضل حق۔ تم پھر مشکل پسندی پر اُتر آئے اس شعر کا مطلب میرے تو
پلے نہیں پڑتا۔
غالب۔ تو مجھ سے سنئے۔ "تاویل" سے میں نے "خیال" کو اچھوتا بنا دیا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر اہل ہمت کا وجود ہوتا جو دنیا کو
محض ناچیز سمجھ کر اس کی طرف التفات نہ کرتے تو دنیا ویران
ہو جاتی۔ پس جاننا چاہیئے کہ عالم اسی سبب آباد نظر آتا ہے کہ
اہل ہمت مفقود ہیں جسطرح میخانے میں کوئی میخوار نہیں ہے
اس طرح عالم کا آباد ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس میں اہل ہمت
نہیں ہیں۔
احسن اللہ خان۔ خوب بھائی خوب۔ آج کل تو تمہارے اشعار دلوں کو
زیر و زبر کئے دے رہے ہیں۔ یہ تاثیر کیسے پیدا ہوئی۔
غالب۔ (فضل حق کی طرف اشارہ کرکے) سب مولانا کا فیض ہے جنھوں نے
مجھے عشق مجازی کے چکر سے نکال کر عشق حقیقی کی طرف مائل کر دیا۔
سچ تو یہ ہے کہ ابھی تک میں نے دنیا دیکھی تھی اسے برتا اور پرکھا
نہیں تھا۔ اب تجربات نے میری نظر میں وسعت پیدا کر دی
زندگی نے مجھے بہت کچھ سکھایا۔ بہت کچھ مولانا۔
احسن اللہ خان۔ مرزا میں دیکھتا ہوں آج تم پر بری طرح سنجیدگی چھائی

ہوئی ہے - خیر - یہ بھی تمہارا ایک انداز ہے کام کی بات یہ ہے
کہ لوہارو والوں کے مقابلے میں ایک طرح سے تم جیت گئے.
تمہاری پنشن کا تصفیہ ہو گیا. لیکن نواب شمس الدین خاں تمہیں
صرف ایک تہائی یعنے دس ہزار میں سے تین ہزار بھی دینا نہیں
چاہتے بلکہ صرف ساڑھے سات سو دینا چاہتے ہیں۔
(فضل حق اس دوران میں مونڈھے پر سے ایک موٹی کتاب
اٹھاتے ہیں) نام دیکھ کر۔

فضل حق - یہ کیا ہے۔

غالب - برہان قاطع۔

فضل حق - خوب تو تم بھی قتیل کے قتیل ہو۔

غالب - جی نہیں - میں قتیل نہیں قتیل کا قاتل ہوں - کیا کیا خرافات
لکھ گیا ہے کم بخت - چاہتا ہوں "قاطع برہان" لکھکر اس کا
سب پول کھول دوں۔

فضل حق - ارے میاں کو توال شہر اس کا بڑا طرف دار ہے - تم سے اس
کا بدلہ نہ چکا لیے گا۔ سنا ایک محفل میں کہہ رہا تھا مرزا نوشہ
کی دو لاکھ کی عزت اسے میں خاک میں ملا سکتا ہوں۔ مجھے خاطر
میں نہیں لاتے - وہ قلم کے دھنی ہیں تو میں بھی "صاحب سیف"

ہوں۔ وہ ابھی تک زلفوں میں اسیر رہے انھیں زنجیروں میں اسیر نہ کردوں تو نام نہیں۔ آج دہلی کی سرزمین میرے قدموں تلے لرز رہی ہے۔ ایک[1] مرتبہ تو جیل خانے کی ہوا کھلا چکا ہوں

غالب۔ ارے میاں ہوا کرے۔ یہاں کس "بھڑوے[2]" کو اس کی پرواہ ہے۔

احسن اللہ خان۔ ہٹاؤ اس قصے کو۔ ایک مرتبہ تو ہاتھ صاف کر چکا ہے تمہارا کیا بگڑا اب بتاؤ کل کے قلعہ والے مشاعرے میں آرہے ہو یا نہیں۔

غالب۔ ہاں آنا ہی پڑے گا۔ وہ دن گئے کہ کہتے تھے "نوکر" نہیں ہوں میں۔

(دونوں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو پھر کل ملاقات رہے گی)

۱۔ غالب کی اسیری کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ غالب کے کردار کو پوری طرح اجاگر کرنے اس طرح کے الفاظ بھی استعمال کرتے پڑیں گے۔ کیونکہ غالب کے خطوط میں تک اس طرح کے لفظ ملتے ہیں۔

سین دوسرا

مقام لال قلعہ ۔ صدر میں تخت طاؤس ۔ چند درباری بیٹھے ہوئے ہیں ۔ نقیب چوب دار کھڑے ہیں ۔ نقیب آواز لگاتا ہے اور اہم درباری یکے بعد دیگرے جمع ہوتے جاتے ہیں)

چوب دار ۔ باملاحظہ باادب ہوشیار ۔ وزیر باتدبیر مشیر بے نظیر نواب احسن اللہ خان تشریف فرما ہوتے ہیں ۔

چوب دار ۔ ادب سے نگاہ روبرو استاد شاہ سلطان الشعراء قاقانیٔ ہند شیخ ابراہیم ذوق ورود فرما ہو رہے ہیں ۔

(ذوق آکر ادب سے بیٹھ جاتے ہیں ۔)

چوب دار ۔ نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ مرزا اسد اللہ خان غالب تشریف لا رہے ہیں ۔

(غالب ذوق کے قریب بیٹھ جاتے ہیں)

(ذوق غالب سے مخاطب ہو کر)

ذوق ۔ مبارک مرزا نوشہ ۔ اب تو تم شاہی مورخ بن گئے ۔ کلام میں صفائی بھی پیدا ہو گئی کیوں نہ ہو ہم جیسے بزرگوں کا طفیل ہے ۔

غالب ۔ (مسکرا کر) بجا فرمایا۔ میں بھلا آپ کی تقلید نہیں کروں گا۔
تو کیا میاں ہُد ہُد کی تقلید کروں گا۔ اچھا استاد یہ بتاؤ
"سہرا" تیار ہو گیا۔ قصیدہ تو تیار ہو گا۔ خاقانی ہند جو ٹھہرے۔
ذوق ۔ یہ بات نہیں بھائی ہم جو خاقانی ہند بنے تو آپ جیسے قدر دانوں
کی قدر افزائی کی بدولت اور حضور عالم پناہ کے طفیل ورنہ
"من آنم کہ من دانم" بھئی صاف بات تو یہ ہے کہ ہم
قصیدے کے میدان میں سودا کو اپنا "گرو" مانتے ہیں۔
ویسے ان کی غزلیات بھی بری نہیں۔
غالب ۔ میر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔
ذوق ۔ میر بھی اچھے شاعر ہیں لیکن سودا کی بات ہی اور ہے۔
غالب ۔ لیجئے[1] میں آپ کو میری سمجھتا تھا آپ تو "سودائی" نکلے۔
(حاضرین قہقہہ لگاتے ہیں۔)
ذوق ۔ مرزا تو اپنی فقرہ بازی سے کبھی باز نہیں آئے گا۔ میاں
شاہی دربار ہے۔ آداب شاہی کا کچھ تو لحاظ کرو۔
غالب ۔ بجا فرمایا۔
(اس اثناء میں چوب دار آواز لگاتا ہے۔)
چوب دار ۔ با ادب با ملاحظہ ولی عہد سلطنت ہند تشریف لا رہے ہیں۔

---

1 (لطیفہ غالب)

(ولی عہد داخل ہوتے ہیں) اس کے بعد

چوب دار۔ باادب با ملاحظہ نگاہ روبرو۔ بادشاہ عالی جاہ فرمانروائے ہند قدم رنجہ فرما رہے ہیں۔

(بادشاہ سلامت آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ شاہی متصدی بھی آن کر کھڑا ہو جاتا ہے)

بہادر شاہ ظفر۔ (بلند آواز سے) چونکہ آج ولی عہد بلند اقبال کی شادی کے بعد محفل جمی ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس مبارک موقع پر سہرے پڑھے جائیں۔ ہم استاد ذوق سے خواہش کرتے ہیں کہ وہ پہلے اپنا لکھا ہوا سہرا سنائیں۔

ذوق اپنا لکھا ہوا سہرا سناتے ہیں تحت اللفظ

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا
آج ہے یمن وسعادت کا ترے سر سہرا
آج وہ دن ہے کہ لائے در انجم سے فلک
کشتی زر میں مہ نو کی لگا کر سہرا
یہ کہے صلی اللہ وہ کہے سبحان اللہ
دیکھے مکھڑے پہ تیرے جو مہ و اختر سہرا
تا نئے اور بنی میں رہے اخلاص بہم
گوندھے سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

در خوشِ آب مضامین سے بنا کر لایا
واسطے تیرے تیرا ذوق ثنا گر سہرا
(غالب کی طرف دیکھ کر)
جس کو دعوٰی ہے سخن کا یہ سنا دے اُس کو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

شاہی متصدی۔ اعلیٰ حضرت کی خواہش ہے کہ مرزا نوشہ دبیرالملک اسداللہ خان غالب اپنا لکھا ہوا سہرا پڑھیں۔

غالب۔

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر پر سہرا
باندھا شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا
کیا ہی اس چاند کے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا
ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا
رُخ پہ نوشہ کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر سہرا
جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

(ذوق کی طرف دیکھ کر۔)

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

حکیم آغاجان عیش۔ کانا پھوسی کے انداز میں حکیم احسن اللہ خان سے)
مرزا نوشہ تو استاد پر صاف چوٹ کر گئے۔ وہ دیکھئے حضور
کی تیوری پر بھی بل پڑ گئے ہیں۔ غالب کو داد نہیں ملتی۔

بہادر شاہ ظفر۔ خاموش ہیں محفل میں ناخوشگوار سکوت چھا گیا ہے۔

بہادر شاہ ظفر۔ مرزا نوشہ تم جانتے ہو ہم نے اُستاد کو سلطان الشعرا
بنایا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو ہم سخن فہم نہیں۔

غالب۔ بجا ارشاد ہوا۔

آغاجان عیش۔ حضور۔ شاہی دربار کا ہر ایک کو لحاظ رکھنا چاہیئے۔
(غالب کاغذ پر پنسل سے کچھ لکھتے جاتے ہیں)
پھر ظفر کے سامنے مودب کھڑے ہو کر۔

غالب۔ پیرو مرشد۔ اس موقع پر ایک قطعہ موزوں ہوا ہے۔
اجازت ہو تو وہ بھی پڑھ دوں۔

ظفر۔ کیسا قطعہ۔

آغاجان عیش۔ اب اُس کی ضرورت بھی ہے۔

استاد ذوق۔ ہاں اس کی ضرورت ہے عالیجاہ۔ مرزا نوشہ کو اجازت دیجئے۔ ہم اُن سے قطعہ سننے کے مشتاق ہیں۔

ظفر۔ استاد کی خواہش ہے تو بہتر ہے سناؤ مرزا نوشہ۔

(غالب جوش کے ساتھ پڑھتے ہیں)

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
آزادہ رو ہوں اور میرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
استاد شہ سے ہو مجھے پُرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

(خوب داد ملتی ہے) ذوق مسکرانے لگتے ہیں۔

چوب دار۔ محفل برخواست ہوتی ہے۔
ذوق ۔ (ذوق اٹھتے ہوئے غالب سے ہاتھ ملا کر) مبارک مرزا نوشہ
ہم تو تمہیں استاد مانتے ہیں۔ آج کا میدان تمہارے ہاتھ رہا۔
غالب۔ (مسکراتے ہوئے)۔

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

(محفل برخواست ہو جاتی ہے)

سین تیسرا

(دہلی۔ غدر کا زمانہ)

غالب تخت پر لکھنے میں مصروف ہیں۔ بیگم قریب ہی پریشان بیٹھی ہوئی ہیں۔ پس پردہ گولیوں کی آوازیں۔
بیگم ۔ یا اللہ تیری خیر زور زور سے آیت کریمہ کا حفظ کرنے لگتی ہیں۔
غالب۔ بیگم پریشانی کیسی اور حیرانی کیوں۔ "موج خون" سر سے گزر جانے دو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ مارے جائیں گے نا[1] موت سے نہیں ڈرتا۔ ہاں فقدان راحت

1۔ یہ جملہ غالب کے خطوط سے منقول ہے۔

سے ضرور گھبرا گیا ہوں۔ مرزا یوسف کی بھی خبر نہیں آئی۔ نہ جانے میرا بھائی کس حال میں ہے۔ اتنی مجبوری ہے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ گھبراؤ نہیں ہمارا محلہ محفوظ ہے۔ مہاراجہ پٹیالہ نے حکیم محمود خان کی وجہ سے دیوار کھچوادی ہے۔ دیکھو خدا کو کیا منظور ہے۔ اگر قدرت کو یہی منظور ہے کہ ہم بھی گوروں کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

(دیوار پر سے چند گورے سپاہی کود کر گھر میں داخل ہوتے ہیں)

بیگم۔ اللہ تیری خیر کہہ کر چیخ مارتی ہیں۔

غالب اٹھکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بیگم سے کہتے ہیں بیگم تم فوراً اندر چلی جاؤ۔

غالب۔ کون ہو تم لوگ۔

سپاہی۔ آپ کو کرنل براؤن نے باہر بلایا ہے۔

غالب۔ کیوں کرنل صاحب اندر نہیں آسکتے۔

(اس اثناء میں کرنل براؤن اندر داخل ہوتے ہیں)

براؤن۔ وِل ٹم مسلمان ہو۔

غالب۔ ہاں حضور مسلمان ضرور ہوں مگر آدھا۔

۲۔ ملاحظہ کیجئے ذکرِ غالب۔ مالک رام صفحہ (۹۲۰)

براؤن۔ ٹم کیا بولا۔ ادھا کیسا ہوتا ہے۔
غالب۔ قبلہ[1] شراب پیتا ہوں سور نہیں کھاتا۔
ایک سپاہی۔ صاحب یہ بے گناہ ہیں بغاوت سے ان کا کوئی تعلق نہیں
یہ یہاں کے مشہور شاعر ہیں۔
براؤن۔ اچا۔ ہم سمجھا تو تم ہی نے بہادر شاہ کے لئے سکہ لکھا تھا تم جانتے
ہو گوری شنکر۔
غالب۔ صاحب یہ شخص (گوری شنکر سپاہی کی طرف بتاکر) غلط کہتا ہے
بادشاہ شاعر۔ بادشاہ کے بیٹے[1] شاعر۔ بادشاہ کے نوکر شاعر
خدا جانے کسنے کہا۔ اخبار نویس نے میرا نام لکھدیا۔ اگر میں نے
کہکر گزرانا ہوتا تو دفتر سے وہ کاغذ میرے ہاتھ کا لکھا گزرتا۔
براؤن۔ اچا ہم تمہیں گرفتار نہیں کرے گا۔
غالب۔ حضور ایک درخواست ہے۔ میرا بھائی مرزا یوسف بہت
بیمار ہے حضور مجھے اپنے ساتھ لے جاکر اس کے گھر پر چھوڑ دیں
تو مہربانی ہوگی۔
اچا چلو۔ (سب چلے جاتے ہیں)
غالب کی بیوی پردے کے باہر آکر آیت کریمہ پڑھنے لگتی ہیں۔

1۔ یہ واقعہ مالک رام نے اپنی کتاب ذکر غالب میں لکھا ہے۔

یا اللہ تیرا شکر۔
کلیان آکر
بیگم صاحبہ ۔ یوسف میاں چل بسے۔ سرکار ان کے کفن دفن کے بعد آئیں گے۔
یا اللہ تیری خیر۔

(پردہ گرتا ہے)

سین چوتھا

(غدر کے بعد) دہلی ۔ غالب کا مکان مکان کی حالت شکستہ۔ اسباب بھی معمولی ہے ۔ بغیر قالین کے تخت بچھا ہے ۔ (غالب خطوط پڑھنے میں مصروف ہیں۔ کبھی کبھی حقہ سے شغل کرتے جاتے ہیں)۔
(کلیان داخل ہوتا ہے)۔ حضور نواب سردار مرزا صاحب ملنا چاہتے ہیں۔

---

[1] یہ عبارت غالب کے خط سے لی گئی ہے ۔ جو علیگڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۴۹ء میں چھپا ہے۔

غالب۔ آئیے نواب صاحب آئیے۔ کیسے زحمت کی۔ آپ یاد فرماتے تو
بندہ خود حاضر ہو جاتا۔
سردار مرزا۔ ارے بھائی کہاں کی نوابی اور کیسی یاد فرمائی۔ اب تو دلی
میں اپنوں کی صورت ترس گئے۔ خبر ملی کہ تم زندہ اور صحیح
سلامت ہو تو ملنے چلا آیا۔ چوسر کھیلے مدت ہوئی۔
غالب۔ بہت اچھا کیا۔
دونوں چوسر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کھیل شروع ہوتا ہے۔
ان کے چھینٹ کا فرغل دیکھ کر۔
غالب۔ نواب صاحب مجھے آپ کے فرغل کی چھینٹ بہت پسند آئی۔
نواب صاحب۔ تمہیں پسند ہے تو لے لو۔
غالب۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ اسی وقت آپ سے لے لوں مگر جاڑے
کی شدت ہے۔ آپ گھر کیسے تشریف لے جائیں گے۔ (اٹھ کر
کھونٹی سے مالیدہ کا چغہ نکالتے ہیں) یہ ایک مالیدہ کا چغہ کئی
دنوں سے سلا رکھا ہے۔ پہننے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ آپ میرا
یہ چغہ لے لیجئے اور مجھے اپنا فرغل عنایت کر دیجئے۔
(نواب صاحب کچھ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ فرغل لے لیتے ہیں)
(دستک کی آواز) کلیان جا کر دیکھتا ہے۔

غالب۔ کون ہے
کلیان۔ حضور منشی نبی بخش حقیر آئے ہیں۔
غالب۔ بھیج دو۔
سردار مرزا۔ مرزا کھیل میں طبیعت جمنے نہیں پا رہی ہے۔ مجھے تو اجازت دو۔ انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔ (اٹھ کر چلے جاتے ہیں)
اس اثناء میں منشی نبی بخش حقیر داخل ہوتے ہیں)۔
غالب۔ خوب آئے بھائی۔ شاگردوں کے خطوط آئے رکھے ہیں۔ ان کو جواب لکھنے ہیں۔ ایک بہادر شاہ ظفر کیا ہاتھوں سے گیا۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے شاگرد اُبل پڑے۔ رام پور، کلکتہ، لکھنؤ، پنجاب، حیدرآباد۔ سب ہی جگہوں پر شاگرد پیدا ہوئے۔ جیسے چیونٹیوں کا جھتا ایک کے ساتھ کئی چلے آتے ہیں۔ اب تم آئے اب تم سے لکھواؤں گا۔ معلوم ہوتا ہے یہ شعر میں نے تمہارے ہی لئے لکھا ہے۔

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

(منشی شرما جاتے ہیں۔ عینک درست کرتے ہیں کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہیں)

غالبؔ۔ (شوخی سے) چل اے خامہ بسم اللہ (خطوط کا پلندا الٹ پلٹ کرتے جاتے ہیں) پہلے مجروح کو جواب لکھوائیں گے۔ اور یہ کیا رئیس سورت غلام بابا خاں کا خط ہے۔ لیجئے اس مسخرے نے گھڑی کے ساتھ پیسے بھی بھیجے ہیں۔ بھئی خوب معلوم ہوتا منشی آج صبح کوئی اچھی صورت دیکھی ہے تب ہی رقم پر رقم چلی آ رہی ہے۔ چوسر میں بھی بازی جیتی۔ مگر پہلے ہم اپنے چہیتے مجروح کو لکھوائیں گے۔ لکھو۔ ظالم نے شہر کی خیریت پوچھی ہے۔

(لکھوانے کے انداز میں کہتے جاتے ہیں)

شہر[1] صحرا ہو گیا۔ اور اب کنویں جاتے رہے پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی والے اب تک یہاں کی زبان اچھا سمجھتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد بندہ خدا اردو بازار نہ رہا۔ اردو کہاں۔ اب شہر نہیں کیمپ ہے چھاونی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔

منشی۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) حضور کیا اچھی تصویر کھینچی ہے۔

غالبؔ۔ (خط دیکھتے ہوئے) لو بھائی اب ہرگوپال تفتہ کا بھی جواب لکھ دو۔

---

[1] منقول خط غالب بنام مجروح۔

منشی ۔ (کھنکھار کر) فرمائیے۔
غالب۔ لکھو
مجھ کو دیکھو نہ آزاد ہوں نہ مقید نہ رنجور ہوں نہ تندرست
نہ خوش ہوں نہ ناخوش۔ نہ مردہ نہ زندہ ۔ جئے جاتا ہوں۔
باتیں کئے جاتا ہوں۔ روٹی روز کھاتا ہوں۔ شراب گاہ گاہ
پیئے جاتا ہوں۔ جب موت آئے گی مر رہوں گا نہ شکر نہ شکایت
جو تقریر ہے بر سبیلِ حکایت۔
منشی ۔ حضور یہ اُردو نثر نہیں ساحری کا سحر ہے ۔ میرے خیال میں
تو اس گنجینۂ نایاب کو زیورِ طباعت سے آراستہ ہونا چاہیئے۔
غالب۔ منشی جی۔ خیال تو مبارک ہے ۔ وہ نالائق تفتہ بھی مجھے تنگ
کر رہا ہے ۔ وہ میرے رقعات چھاپنا چاہتا ہے۔ میں شاعر تھا
موئینہ پوش نہیں۔ اب موئینہ پوش بھی بننا پڑے گا۔
میرے خیالات کا نیلام اٹھے گا۔ خیر زمانہ جو نہ کرے کم ہے۔
(منشی قلم رکھ کر سنانے لگتے ہیں)
غالب ۔ اچھا اب باقی آئندہ ۔ تمہارا بھی نماز کا وقت آگیا۔
(پردہ گرتا ہے)

سین پانچواں

مرزا صاحب پلنگ پر شال اوڑھے لیٹے ہیں۔ سرہانے تپائی پر خطوط کا ڈھیر رکھا ہوا ہے۔ پردے کے پیچھے حاجتی رکھی ہوئی ہے۔

(حالی داخل ہوتے ہیں)

غالب۔ کون میاں الطاف حسین آؤ آؤ تمہیں کو یاد کر رہا تھا۔

حالی ۔ حضور مزاج عالی ناساز معلوم ہوتا ہے۔

غالب ۔ نہیں میاں چھہتر ۷۶ سال کی عمر ہونے آئی ۔ اب بھی کمزوری نہ ہو تو کیسا ۔ (زور لگا کر اٹھنا چاہتے ہیں) حالی مدد کو آگے بڑھتے ہیں) لیٹے رہیئے حضور میں بیٹھ جاؤں گا ۔ (پلنگ کے قریب مونڈھا کھینچ کر بیٹھ جاتے ہیں)

غالب۔ سچ تو یہ ہے مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
اب عناصر میں اعتدال کہاں

حالی ۔ قبلہ ۔ قاطع برہان کا سلسلہ ختم کیجئے ۔ لوگ سب و شتم پر اتر آئے ہیں۔

غالب۔ ہاں میاں روز ڈاک میں ایسے ایسے خطوط ملتے ہیں کہ خدا کی پناہ ظالموں نے گالی گلوج پر کمر باندھ لی۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ کم بختوں کو گالی دینے کا بھی سلیقہ نہیں۔ بڈھے یا ادھیڑ آدمی کو بیٹی کی گالی دیتے ہیں۔ تاکہ اس کو غیرت آئے۔ جوان کو جورو کی گالی دیتے ہیں بچے کو ماں کی گالی دیتے ہیں یہ قرم ساق ۷۶ برس کے بوڑھے کو ماں کی گالی دیتا ہے۔ اس سے زیادہ کون بے وقوف ہوگا۔

حالی۔ قبلہ ہمارے ہندوستان کی پسماندگی کا بڑا سبب یہی ہے کہ یہاں اہل کمال کی قدر نہیں کی جاتی۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت کو دیکھ کر لوگ جلے مرتے ہیں۔ اور اس طرح دل کے پھپھولے پھوڑ لیتے ہیں۔

غالب۔ ارے بھئی۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
سچ تو یہ ہے کہ

بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

یہ بے سبب دشمن کیوں۔ آخر زمانہ مجھے مٹانے پر کیوں تُلا ہے

۱؎ یادگار غالب صفحہ ۹۴

لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

حالی - کیا بات کہی ہے حضور - واقعی آپ لوح جہاں پر حرف مکرر نہیں - آپ تو خود اپنی نظیر ہیں آپ کو یاد ہوگا آپ ہی نے کلکتہ کے سفر کا واقعہ بیان کیا تھا - کہ ایران کا سفیر آپ کی فارسی دانی کا معترف ہے -

غالب - اور خوبی سنو - کلکتہ ہی سے قاطع برہان کے سلسلہ میں خطوط کا تانتا بندھ گیا ہے - بھئی ہم تو کلکتہ پہ جان دیتے تھے - میں کلکتہ کے ماحول سے کافی متاثر ہوا تھا - واپسی پر چند شعر بھی کہے تھے تم نے سنے نہیں -

حالی[1] - آپ کے طبع شدہ دیوان میں تو نہیں -

غالب - تم کون سے دیوان کی بات کر رہے ہو - مفتی انوار الحق کی زیر نگرانی جو ۱۸۴۷ء میں طبع ہوا وہ دیکھا یا ۱۸۴۳ء والا جو سید الاخبار کے مطبع سے چھپا اسے دیکھا -

حالی - دونوں میں بھی نہیں -

غالب - نہیں میاں یہ اشعار اس کے بعد لکھے گئے - ہائے وہ بیانی

---

۱ - اس طرح دیوان غالب کی تاریخ تدوین اور ان کے انداز تحریر کا بھی ذکر آ گیا ہے -

بھی نہیں ملتی۔ (تکیہ کے نیچے کچھ ٹٹولتے ہیں) حالی ایک سنہری جلد کی بیاض نکال کر غالب کو دیتے ہیں۔

غالب۔ تو تم ہی پڑھو۔ میرا خط تو شفیعا ہے۔ تمہیں پڑھنے میں دقت نہ ہوگی۔

حالی۔ نہیں حضور آپ ہی کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔

غالب۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہاں میاں اب تو ہم چراغ سحری ہیں بلند آواز سے۔

دم واپسیں بر سر راہ ہے ؛ عزیزو بس اللہ ہی اللہ ہے

تم سفر کلکتہ کے تاثرات سننا چاہتے تھے نا۔ میاں مولوی سراج الدین احمد کے ہاں کی ضیافت مجھے کبھی نہیں بھولے گی۔ پہلی مرتبہ میں نے نازنین خود آرا کو اس محفل میں دیکھا۔ کیا بتاؤں کیا حالت ہوئی۔ ایک صاحب تھے حسن علی وہ تو ماشاءاللہ آدمی کے بچے تھے لیکن واہ صاحب ان کی اہلیہ ہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی حور آسمان سے اتر آئی ہے۔ میں نے چپکے سے کہا۔

غالب ان ماہ طلعتوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے

سراج الدین نے فوراً میرے چٹکی بلی۔ ایک بی صاحبہ نے ہمارا کلام بھی سنایا۔ کم بخت نے کیا آواز پائی تھی۔ مجھے خود اپنے کہے پر ناز ہونے لگا۔ اس کا شین قاف بھی درست تھا۔ شعر سمجھنے کی بھی صلاحیت رکھتی تھی۔ ان ہی کے لئے تو کہا تھا سنو گے۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
ایک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب
وہ نازنین بتاں خود آرا کہ ہائے ہائے
صبر آزما وہ ان کی نگاہیں کہ حف نظر
طاقت ربا وہ ان کا اشارہ کہ ہائے ہائے

(چکر آجاتا ہے تکیہ پر گردن ڈھلک جاتی ہے)

حالی فوراً اٹھکر تھام لیتے ہیں۔ کلیان ارے میاں کلیان۔

کلیان۔ آیا حضور

حالی۔ فوراً حسین علی خاں صاحب کو باہر بھجوادو۔

حسین علی خاں۔ کیوں بھائی صاحب خیر تو ہے۔

حالی۔ میاں مرزا صاحب کے آثار اچھے نہیں۔ آپ اپنے دادا

نواب علاء الدین خاں کو فوراً تار دلوا دیجئے۔

حسین علی خاں۔ دادا ابا نے کل ہی انھیں خط لکھوایا انھوں نے مزاج کی کیفیت پوچھی تھی۔ تو لکھوایا کہ اب میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ چند دن بعد ہمسایوں سے پوچھ لینا۔ اچھا اب میں حکیم احسن اللہ خاں کو لاتے جاتا ہوں۔ تم بیگم صاحبہ کو یہاں بلوا لو۔ چلتے ہیں۔

(پردہ گر جاتا ہے)

سین آخری

اسٹیج پر بہت سے آدمی سوگوار ہیں۔ حالی کا مرثیہ کورس کی شکل میں گایا جا رہا ہے۔

مرثیہ

نقدِ معنی نکتہ داں نہ رہا
خوانِ مضموں کا میزباں نہ رہا
ساتھ اس کے گئی بہارِ سخن
اب کچھ اندیشۂ خزاں نہ رہا

ہوا اِک کارواں سالار
کوئی سالار کارواں نہ رہا
عشق کا نام اس سے روشن تھا
قیس و فرہاد کا نشان نہ رہا
ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں
گل و بلبل کا ترجمان نہ رہا